دعوت نبوی ﷺ کا اتمام واکمال

ڈاکٹر نثار احمد

Abstract

This is in continuation of the article published several times in the journal under the title of "the growth and development of Holy Prophet's mission and the opposition of Quraish. Following is the last episode that concludes the whole discussion on the subject. Since the narration and comparative historical survey of both (the mission of the Holy Prophet and the opposition of Quraish) has already discussed in the earlier episodes, till the fall of Makkah at the hands of the Holy Prophet in 630 AD. The importance of that event (of the fall of Makkah) is re-emphasized here and its impact and consequances are given in detail. As a result, after the conclusion of the opposition of Quraish, the growth and development of the Holy Prophet's mission progressed further. So much so, in a very short span of 2/3 years time, reached its climax, simultaneously with the expansion and extension of state up to the corners of Arabian Peninsula that was established by the Holy Prophet after his migration to Madinah.

نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے پانچویں سال غزوۂ خندق/غزوہ احزاب کے بعد جزیرہ نمائے عرب کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات میں بہت سے تغیرات نمایاں ہوئے، ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ طاقت وحاکمیت کا توازن اُس وقت مجموعی طور پر سید عالم ﷺ کے زیرنگیں نشو ونما پانے والی ریاست مدینہ کے حق میں استوار ہوتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ ایک طرف یہ نکلا کہ قریش

کے زیر سایہ کفر وشرک کے اتحادیوں کی اجتماعی، عسکری تمام تر کوششوں کے باوجود مدنی ریاست کو زک پہنچانے میں کوئی کام یابی حاصل نہیں ہوسکی تھی، جب کہ دوسری طرف خود ریاست مدینہ کی ترقی واستحکام کا گراف مسلسل بلندی کی جانب رواں دواں رہا۔ لہٰذا اختتام جنگ احزاب/ خندق کے بعد تاج دار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا کہ **لن تغزوکم قریش بعد عامکم ھذا و لکنکم تغزونھم** (۱) ''اس سال کے بعد قریش تم مسلمانوں پر کبھی حملہ آور نہ ہوسکیں گے بل کہ اب تم ہی ان کی طرف پیش قدمی کروگے'' چناں چہ آنے والے زمانے میں اس قول کی صداقت ظاہر ہوتی چلی گئی اور بہ طور خاص کفار ومشرکین قریش مکہ کے حوالے سے اسلام، مسلمانوں اور ریاست مدینہ کے مستقبل کا لائحہ عمل بڑی حد تک طے ہوگیا۔

مکرّر ومختصر یہ کہ اگلے مرحلے میں عداوت ومخالفت قریش کی تاریخ کو اختتامی منزل سے ہم کنار کرنے کے لئے، آں حضرت ﷺ نے غزوۂ احزاب ۵ھ سے متصل اگلے تین سالوں میں، ایک کام یاب، بالغ نظر حکم راں ریاست مدینہ، نبیٔ مرسل، رسولِ برحق، مصلح قوم، اور نجات دہندۂ انسانیت کی حیثیت سے پے در پے ایسے اقدامات فرمائے کہ کام یابی وکام رانی خود آپ ﷺ کی قدم بوسی پر مجبور ہوئی۔ (یہاں اپنے مطالعے کو اگلی منزل سے مربوط کرنے کے لئے بہ طور یاددہانی پھر دیکھ لیجئے کہ کیا کیا ہو چکا تھا، مثلاً پہلے پہل غزوۂ خندق ۵ھ میں مدینے کا کام یاب دفاع، اتحادی دشمنوں کی افواج کا ناکام آپریشن، سرکش قبائل کی سرکوبی، یہودی سازش کا قلع قمع، اس سے اگلے سال ذی قعدہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے ذریعے قریش کو سرفرازی اور خودسری سے محروم کرکے ہم سر فریق بنادینا، دس تک کے لئے جارحانہ عزائم سے دست برداری پر مجبور کرنا، حدیبیہ سے واپسی میں قرآنی سورۂ فتح کا نزول (۲) جس میں حاملان بیعت رضوان کے لئے رضا وخوش نودی رب کا مژدہ ملا اور فتح خیبر، فتح مکہ اور دوسرے فتوحات وغنائم کی خوش خبری اور الہامی وعدہ بھی پھر جو مجاہدین باتمکین مدینے سے مکے کا طویل سفر اختیار کرکے چاہِ حدیبیہ پہنچے، بیعت الرضوان سے مشرف ہوئے، وہی واپس مدینے پہنچنے کے فوراً بعد یہود وخیبر کا صفایا کرنے (محرم ۷ھ میں) ۲۰۰ میل مزید آگے گئے، پھر فتح خیبر کی سرفرازی کے بعد وہی عاشقانِ مصطفیٰ ذی قعدہ ۷ھ میں مکے کا سفر اختیار کرکے عمرۃ القضا میں آپ ﷺ کے ساتھ قدم بہ قدم رہے، پھر مدینہ طیبہ واپس ہوکر رمضان ۸ھ میں یہ ہم راہیٔ رسول عازم مکہ ہوئے، تا آں کہ فتح مکہ کا نظارہ کرسکیں)

رمضان ۸ھ (جون ۶۲۹ء/ جنوری ۶۳۰ء) میں پیش آنے والا فتح مکہ کا واقعہ ایسا نہیں کہ تاریخ و سیرت کا کوئی طالب علم اسے اہمیت دیئے بغیر گزر جائے۔ وہ واقعہ تاریخ عالم، تاریخ اسلامی اور تاریخ

سیرت میں ہر جگہ ایک عظیم الشان باب کی حیثیت رکھتا ہے، چناں چہ یہ واضح ہے کہ اپنے جملہ پہلوؤں پر مشتمل، مخالفت وعداوت قریش کی اصل بحث، واقعہ فتح مکہ کو نظر انداز کر کے مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ لہٰذا یہ امر ناگزیر ہے کہ فتح مکہ کے گوناگوں اثرات کا مطالعہ اور اس کی انقلاب آفرینی کا اندازہ لگایا جائے، اس حوالے سے اظہار مدعا کے لئے مسئلے کے اہم پہلوؤں پر گفت گو مناسب معلوم ہوتی ہے۔

۱۔ تاریخ مخالفت وعداوت قریش کا انجام

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا کہ فتح مکہ کا پہلا صاف، واضح اور قطعی نتیجہ یہ نکلا کہ آغازِ رسالت اور اجرائے تبلیغ سے لے کر فتح مکہ تک کی تقریباً ۲۱ سالہ مخالفت وعداوت قریش کی تاریخ اپنے انجام کو پہنچی۔ اس کے مفہوم میں کئی باتیں داخل ہیں: مثلاً

اول یہ کہ مخالفت وعداوت کی تمام وجوہات، اسباب، محرکات، علامات کا خاتمہ ہو گیا۔ جو عہد ماقبل میں پیدا ہوئی تھیں یا پروان چڑھیں اور جن کے نتیجے میں مختلف النوع واقعات وحالات ظہور پذیر ہوئے۔

دوم یہ کہ عداوت ومخالفت قریش کا پہلا دائرہ ذاتیات وشخصیات سے جڑا ہوا تھا کہ جس شخص میں ذاتی / صفاتی طور پر جتنی زیادہ خبائث اس کے باطن میں تھیں، جو اپنی خودی، انا، تکبر، خودنگری وخود پرستی کے نشے میں چور تھا یا انتقام، رشک وحسد، غرض ومفاد میں مبتلا تھا وہ اتنا ہی بڑا دشمنِ خدا ورسول تھا۔ (چناں چہ مثلاً دورِ مخالفت کی پہلی دہائی میں ''فرعونِ امت'' ابوجہل عمرو بن ہشام یا ابولہب عبدالعزی بن عبدالمطلب وغیرہ، یا مثلاً دوسرے بہت سے سرآوردہ شریر وخبیث اپنی بساط بھر روڑے اٹکاتے رہے، جو داعیِ حق ﷺ اور اُن سے وابستہ مخلصین، متبعین، مؤمنین، مسلمین کو نشانۂ ستم بنانے کے لئے نت نئے حربے تلاش کرتے رہے اور ان پر ظلم وستم ڈھاتے رہے۔ مخالفتِ قریش کے تمام علم برداروں کا شمار کرنا تو مشکل امر ہے، کیوں کہ اس کام میں وہ تنہا نہیں تھے، ان کے ساتھ کثیر تعداد میں معاونین، متبعین، مؤیدین، مؤکلین، ہم نوالہ وہم پیالہ بھی تھے، تاہم ان کے بڑے بڑے رہ نماؤں، سرپرستوں، عظما وامرا کے نام تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ (۳)) زیر بحث دور میں یعنی فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے واقعے تک پہنچتے پہنچتے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کفار ومشرکین عرب کی عموماً اور قریش مکہ اور ان سے وابستہ خلفا ومتعلقین سمیت، مخالفین ومعاندین کی بڑی تعداد یا تو دنیا جہاں سے رخصت ہو چکی تھی۔ یا صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں اسلام لانے والے عوام الناس کی کثیر تعداد (۴) میں ضم ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں معاندین ومخالفین قریش میں سے ایک تعداد ان لوگوں کی بھی تھی، جو داخل اسلام ہونے کے بعد اُس

زمانے میں گویا کفارہ ادا کر رہے تھے اور سابقہ زندگی کے برعکس فروغ اسلام کے لئے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آگے سے آگے بڑھ رہے تھے، مثلاً خالد بن الولیدؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہؓ وغیرہ جو صلح حدیبیہ کے بعد عمرۃ القضا کے قریب یا صفر ۸ھ سے پہلے، بہ یک وقت خدمت نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''مکے نے اپنے جگر گوشوں کو پھینک دیا ہے''۔(۵)

اس تفصیل کا مدعا یہ واضح کرنا ہے کہ عداوت ومخالفت قریش کا مدار جن امراو زعما کی پشت پناہی پر تھا یا جن کے سرمایۂ اثر ورسوخ، دولت وثروت، جاہ ومنصب اور وسائل کی فراوانی مخالفت وعداوت کی آگ بھڑکاتی تھی، ان کی موت، ہلاکت اور خاتمہ بدیہی طور پر خود عداوت ومخاصمت کے خاتمے پر ہوا، چناں چہ یہ نا قابل فہم نہیں ہوسکتا کہ زمانۂ فتح مکہ تک، زندہ وسلامت باقی رہ جانے والے، اعداو مخالفین کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت تک ان اعداو مخالفین اسلام کا دَم خم باقی نہیں رہا تھا، اب وہ محض تکلفاً یا بھرم رکھنے کے لئے یا اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے، یا دوسروں کو دکھانے کے لئے، مخالفت کے تارِ عنکبوت سے بنا ہوا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، اندر سے کھوکھلے کہ ذرا سی ٹھیس پر بکھر جانے کے لئے تیار تھے۔

سوم یہ کہ جب ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ (منفی پہلو سے) عداوت ومخالفتِ قریش کے تمام اسباب، محرکات، اور علامات کا مکمل خاتمہ ہوگیا، اور یہ بھی دیکھ لیا کہ معاندین ومخالفین قریش کے بڑے بڑے امرا، زعما، سرپرستوں، سرداروں کی موت وہلاکت کے بعد قیادت کا صفایا ہوگیا، اور تیسرے درجے میں یہ بھی اظہر من الشمس ہوگیا کہ اعدا ومشرکین کی منظم کردہ تمام سرگرمیاں، سازشیں، مسلط کردہ جنگیں، انفرادی اجتماعی منفی کوششیں بالآخر ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ اس صورت حال میں ظاہر ہے (اب مثبت طور پر) قریش مکہ کے لئے خصوصاً اور باقی ماندہ اعداو مخالفین اسلام کے سامنے صرف یہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے مخالفت وعداوت ترک کردیں، کلمۂ توحید ورسالت کا اقرار کرلیں اور دامانِ ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیت کی پناہ میں آجائیں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا کہ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رمضان ۸ھ میں اپنے دس ہزار مجاہدین صحابہ کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ مکرمہ کی آخری سرحدوں پر پہنچ کر مرالظہر ان میں خیمہ زن ہوئے تو رحمتوں اور برکتوں کا ظہور ہونے لگا۔ ہدایت سے محروم، قریشی کیمپ میں رہ جانے والے، ایک ایک کر کے خدمتِ رسول میں آنے لگے اور اپنی قسمتیں جگانے لگے۔(۶) اس طرح مخالفت وعداوتِ رسول کا بہ ہر نوع خاتمہ اور اس

کے بدلے مثبت طور پر قریش مکہ کا بالآخر قبولِ اسلام، فتح مکہ کے واقعے کا بہ راہِ راست فیضان تھا۔

۲۔ مرکزِ بت پرستی کا خاتمہ اور کعبۃ اللہ کا بہ طور مرکز توحید و خدا پرستی احیا

مکہ مکرمہ میں داخلے سے پہلے گویا اہل مکہ کو آں حضرت ﷺ کی آمد کی اطلاع ہوگئی تھی۔(۷) سپاہ اسلامی کی دس ہزار کی تعداد عظیم الشان تھی جس کا مشاہدہ خود ابوسفیان کے لئے حیران کن تھا(۸)، اس لئے صحابہ کی سربراہی میں، مختلف دستوں کو مختلف راستوں سے داخل ہونے کا حکم فرمایا گیا۔(مثلاً کدی سے حضرت زبیر بن العوام کو، جنوب مکہ لیط کی طرف سے حضرت خالد بن ولید کو داخلے کی ہدایت فرمائی) حضرت خالد کے دستے سے ہی اعدا قریش صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو کی سربراہی میں اوباشوں کے ایک گروہ نے ٹکرانے کی ناکام کوشش کی، اچانک حملے کے سبب کرز بن جابر رضی اللہ عنہ اور حبیس رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، مگر جوابی کارروائی سے شکست کھا کر کفار بری طرح بھاگے اور تتر بتر ہو گئے۔ بہ قول ابن ہشام ان کے ۱۲/۱۴ آدمی ہلاک ہوئے (۹) خود آقائے نامدار ﷺ نے مکہ کی بالائی جانب سے نزول اجلال فرمایا اور حجون کے اطراف میں اپنا علَم وہاں نصب فرمایا (جہاں بعد بہ طور یادگار مسجد رایہ تعمیر ہوئی) شہر میں ہر طرف امن وامان کا دور دورہ تھا، افواج اسلامی کے تمام دستے بلا مزاحمت شہر میں داخل ہوئے اور فتح مکمل ہوگئی۔ اب حرم میں سرور عالم ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار تھا، آپ ﷺ ناقے پر سوار بیت اللہ کی جانب روانہ ہوئے تو بارگاہِ خداوندی میں تشکر و تضرع کے آثار چہرہ انور سے نمایاں تھے اور تواضع سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوے سے مَس ہو رہی تھی۔ اور آپ ﷺ خوش الحانی سے سورۃ الفتح اور اذا جاء نصر اللہ والفتح کی تلاوت فرماتے جارہے تھے۔ اسی حالت میں حرم میں داخل ہوئے تو پہلے طوافِ کعبہ فرمایا۔ تفصیلات سے قطع نظر خانۂ کعبہ اس وقت بہ قول مولانا شبلی ''خدا کی شان، حرم محترم جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا، اس کے آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزیں تھے، آں حضرت ﷺ ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیئے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا عین کعبے کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے، آں حضرت ﷺ نے کعبے کے اندر داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائیں (۱۰)، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبے کے کلید بردار تھے کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا۔ آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ (۱۱) یوں تطہیر کعبہ

کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا، اس اثنا میں صحن کعبہ حاضرین سے کھچا کھچ بھر چکا تھا، چناں چہ خانہ کعبہ سے نکل کر آں حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (۱۲)

مولانا شبلی رقم طراز ہیں کہ ''خطبے کے بعد آپ ﷺ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے۔ ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیش رو تھے، اور وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں، وہ بھی تھے جنہوں نے آں حضرت ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آں حضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا کسی چیز سے نہیں بجھ سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینے کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا اور وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا (۱۳) اور پوچھا: **یا معشر قریش ما ترون أنی فاعل فیکم** (۱۴)، اے اہل قریش! تم کیا دیکھ رہے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ **قالوا خیراً ، أخ کریم و ابن اخ کریم!** وہ کہنے لگے، صرف بھلائی کا (کہ) شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کی اولاد! (اس پر ارشاد رحمۃ للعالمین ہوا) **اذھبوا! فانتم الطلقاء** (۱۵) جاؤ تم سب آزاد ہو (آج تم پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں)۔

اُس دن (۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو) فاتح مکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام قریش کے لئے معافی و خلاص کا جو اعلان عام کیا تھا، اس عفو و کرم اور احسان و عطا کی توقع ان کے خواب و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی۔ اس لئے اس میں کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ ایسے کریم النفس آقا کو وہ اپنا دل دے بیٹھے، چھوٹے بڑے، مرد و عورت (۱۶) سب کے سب اعترافِ گناہ کرتے ہوئے دولتِ ایمان سمیٹنے کے لئے ٹوٹ پڑے، اور نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی دن میں تقریباً پورے مکہ نے کلمۂ اسلام پڑھ لیا (۱۷) اور سوائے ان اشتہاری مجرموں کے، جن کی تفصیل مآخذ تاریخ و سیر میں دست یاب ہے (۱۸) تمام منکروں، مخالفوں، مجرموں کو معاف کر دیا گیا۔ اسلام لانے والوں میں عوام الناس بھی شامل تھے اور تمام بڑے بڑے سردار، شرفا اور مشاہیر مکہ بھی۔ (۱۹) کفر و شرک کی ظلمتیں، جاہلیت قریش کا فخر و غرور، ان کے آبا و اجداد کی عظمت، حسب و نسب کا افتخار سب مٹ چکا تھا۔ خانۂ کعبہ کو ہبل اعظم سمیت تمام معبودانِ باطل، ہر قسم کی دیوی دیوتاؤں، ان کی تصاویر، علامات سے پاک کر کے تعمیر ابراہیمی کے مطابق پھر سے مرکزِ توحید الٰہی بنا دیا گیا۔ اس کے در و دیوار کو طاہر و مطہر کر کے، اس کی عزت و حرمت کو قیامت تک کے لئے مشتہر کر دیا گیا۔

(۲۰) تمیم بن اسد الخزاعی کو بھیج کر حدود حرم کی تجدید کی گئی۔ (۲۱) یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا تو کعبے کی چھت پر چڑھ کر بلال نے اذان دی۔ حضرت بلال کی یہ اذان سن کر صحن کعبہ میں بیٹھے بعض قریش پا پی بہت جز بز ہوئے مگر ان کے دلی جذبات بہ ذریعہ وحی ساعت رسالت مآب سے نہ چھپ سکے تو خود ہی شرمندہ ہو کر اقرار ایمان پر مجبور ہوئے۔ (۲۲)

وہ صحیح معنوں میں ظاہری باطنی انقلاب کا دن تھا، اہل مکہ کے لئے خصوصاً اور اہل عرب نیز سارے عالم کے لئے عموماً جب کہ صدیوں کے بعد وہ عظیم الشان موقع آیا تھا جب کہ سید الانبیا والمرسلین حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں اللہ کا مقدس گھر، اپنے مقصد وجود کی تکمیل کے لئے پھر سے مرکز توحید الٰہی بنایا جا رہا تھا، یہ صرف اہل مکہ، اہل عرب کے لئے ہی نہیں چار دانگ عالم کے لئے مرکز ومحور بنایا جا رہا تھا۔ ہاں پہلے مرحلے میں اپنے زمینی وجودی تعلق اور فتح مکہ کے ناگزیر نتیجے میں، اس وقت کا منظر، پس منظر اور پیشِ نظر سب کے سامنے محدود مگر عیاں تھا۔ بیت اللہ کے صحن اور در و دیوار ہی نہیں مکے کے دشت وجبل نعرہ ہائے تکبیر سے گونج رہے تھے اور اذانِ بلالی نے تو شیاطین جن وانس پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ کفار قریش جہاں جہاں تھے ڈرے سہمے تھے اور کتنے ہی انجانے ڈر کے مارے پہاڑوں پر چھپے دم بہ خود بیٹھے تھے۔ (۲۳) ان کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ تہ وبالا ہو چکا تھا، اُن کے معبودان باطل جو ان کی عقیدت ومحبت کا مرکز تھے اور وہ بھی ایک دو نہیں تین سو ساٹھ، ایک سے ایک مضبوط، پتھر سیسے سے جڑے ہوئے وہ اپنی جبینِ نیاز ان ہی کے آگے جھکاتے تھے، ان کے بدلے میں ان کو وہ امید وعزم و حوصلہ، قوتِ عمل اور جذبوں سے سرشار کرتے تھے۔ سب حیران وششدر تھے کہ کیا کریں، دل بجھ گئے، جسم وجان بے جان ہو گئے، صدمات سے ہوش وحواس جاتے رہے۔ (۲۴) ان کے معبودان باطل، ان کا بت خانہ جو تباہ ہو گیا، ان کی مذہبی اور جذباتی دنیا کو ہی برباد نہیں کر گیا بل کہ ان کی سیاست ثقافت، ان کی عزت وشہرت، دولت، آمدنی، خاک میں مل گئی، عرب ہی کیا پوری دنیا سے لوگ اسی بت خانے کے شوق د زیارت کے لئے آتے تھے۔ حج، عمرہ، زیارت، میلے، بازار، سب رونقیں اس کے دم سے تھیں، وہ صرف عرب کے لئے ہی بت پرستی کی ترویج وتشویق کا باعث نہ تھا، پوری دنیا میں بت پرستی کے لئے احترام، جذب وشوق پیدا کرنے میں اس کا دخل تھا۔

انہدام اصنامِ کعبہ، جاء الحق و زھق الباطل کا بالفعل اعلان، اس کا اطلاق وانطباق تھا، بت پرستی اعلا کلمۃ اللہ کے منافی تھی، جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی عملی بیخ کنی کا آغاز دنیائے بت پرستی کے سب سے بڑے مرکز کے استیصال سے کیا گیا۔ یہ پیغام پورے عرب کو، پوری دنیا کو دیا گیا۔ اور

ادھر مکہ مکرمہ میں تخریب اصنام اور تطہیر کعبہ کے بعد سید عالم ﷺ نے یہ اعلان مشتہر کر دیا اور منادی کرادی گئی کہ ''جو اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے اپنے گھر میں کسی دیوی دیوتا کے بت کو سلامت نہ رہنے دے اسے جلادے، مٹادے، توڑ پھوڑ کر پھینک دے''(۲۵) چناں چہ قریش مکہ میں مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں کوئی بت باقی بچا ہو بل کہ اسلام لانے کے بعد عکرمہ بن ابی جہل نے تو اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ جیسے ہی انہیں کسی قریش کے ہاں بت کی خبر ملتی وہ فوراً وہاں پہنچتے اور اسے ختم کر ڈالتے تھے۔(۲۶)

بت پرستی کے اختتام کے لئے مکہ کے قرب و جوار اور دوسرے مقامات پر پائے جانے والے دوسرے مراکز کی بت شکنی کا انتظام بھی آں حضرت ﷺ کی طرف سے بلا توقف کیا گیا۔ مولانا شبلی رقم طراز ہیں کہ ''مکے کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے تھے جن کے لئے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں، ان میں سے سب سے بڑے لات، منات اور عزیٰ تھے (عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا، مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر نخلہ ایک مقام ہے، عزیٰ یہیں منصوب تھا، بنوشیبان اس کے متولی تھے) اہل عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑوں میں ''لات'' کے ہاں اور گرمیوں میں ''عزیٰ'' کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔ منات کا تخت گاہ مشلّل تھا جو قدید کے پاس تھا از دغسان اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے''۔(۲۷) آگے لکھتے ہیں ''قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا جو ینبع کے اطراف رباط میں تھا۔ یہ ایک پتھر تھا اس کے متولی بنو لحیان تھے۔ بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا، اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا اور دفعتاً ہر جگہ خاک اڑنے لگی''۔(۲۸)

خانہ کعبہ سے الگ متفرق مقامات پر واقع ان معبودانِ باطل کے معبدوں اور زیارت گاہوں کے انہدام کے لئے بھی انتظام چار پانچ روز میں ہی کیا گیا۔ ۲۰ ویں رمضان کو اصنام کعبہ کو ختم کیا گیا تھا، رمضان کی ۲۵ تاریخ کو حضور ﷺ کی طرف سے حضرت خالد بن ولید کو ایک دستے کی معیت میں نخلہ روانہ کیا گیا جہاں عزیٰ کی درگاہ تھی اور جو اصل میں تمام قبائل قریش، کنانہ و مضر کا قبلہ و کعبہ بنا ہوا تھا۔ (۲۹) دوسری طرف حضرت عمرو بن العاص کو ہذیل کے بت کدہ کو ڈھانے کے لئے رمضان کی ان ہی تاریخوں میں بھیجا گیا جہاں ان کا بڑا بت سواع نصب تھا۔ اس کے مجاور نے حضرت عمرو بن العاص کو یہ کہہ کر اس کے انہدام سے روکنا چاہا کہ تم خود تباہ ہو جاؤ گے مگر جب ایک ہی ضرب میں انہوں نے اسے پاش پاش کر ڈالا تو مجاور یہ دیکھ کر فوراً ہی اسلمت للہ کہہ کر مسلمان ہو گیا۔(۳۰) پھر ان ہی دنوں یعنی رمضان ۸ھ میں مناۃ کے بت خانے کو ڈھانے کے لئے حضرت سعد بن زید الاشہلی کو ۲۰ سواروں کے ساتھ مشلّل

روانہ کیا گیا، جو اوس و خزرج اور غسان کے قبائل کا خداوند تھا۔ (۳۱) ان اقدامات سے یہ واضح ہے کہ شرک و بت پرستی کے مراکز کا فی الفور خاتمہ اور توحید و خدا پرستی کا احیا آپ ﷺ کے مشن کی پہلی ترجیح تھی، جسے مسلسل جاری رکھا گیا۔ (۳۲)

۳۔ توسیع دعوت نبوی ﷺ اور ترقی و استحکام ریاست

فتح مکہ کے بہ راہ راست اثرات و نتائج میں توسیع دعوت نبوی ﷺ اور ترقی و استحکام ریاست مدینہ بہت نمایاں ہے۔ قریش جب تک کفر و شرک پر قائم اور کعبۃ اللہ صنم کدہ تھا، اس وقت تک تمام قبائل عرب کو عموماً اسلام قبول کرنے میں سخت تأمل تھا، لیکن فتح مکہ، انہدام صنم کدۂ قریش اور اہل مکہ کے عمومی قبول اسلام کے بعد ان کا انتظار ختم ہو گیا اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اولاً قریش جیسا طاقت ور قبیلہ بھی جب خلاف اسلام مزاحمت نہ کر سکا تو ان کے لئے بھی مزاحمت عبث کوشش ہوگی۔ ثانیاً یہ کہ جب قریش نے اپنے آباؤ اجداد کا دین ترک کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تو انہیں بھی اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اس نکتے کی وضاحت میں چند اسباب کا ذکر کرتے ہوئے جامعیت سے کام لیا ہے۔ (۳۳) بہ طور خلاصہ ان کا اندراج کیا جاتا ہے:

۱۔ بہت سے قبائل اسلام سے اس لئے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے ہم عہد تھے اور اسلام لانا بہ منزلہ عہد شکنی کے تھا۔

۲۔ بہت سے قبائل اسلام سے اس لئے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے مقابلے میں بہت کم زور تھے، مگر ان کے تعلقات یا رشتہ داری قریش کے ساتھ وابستہ تھے اور ان کا خیال تھا کہ اسلام لانے سے وہ تعلقات بھی منقطع ہو جائیں گے اور یہ لوگ قریش کے غیظ و غضب کے مورد بھی بن جائیں گے۔

۳۔ بہت سے قبائل کے رائے تھی کہ مسلمانوں کا مکے پر قابض ہو جانا ہی صحیح نشانی ان کی صداقت کا اور مقبول خدا ہونے کا ہو سکتا ہے، کیوں کہ سیکڑوں سال سے قومی روایات ان میں چلی آتی تھیں کہ مکے پر کوئی ایسا شخص فتح نہیں پا سکتا جس کے ساتھ رب العالمین کی نصرت و تائید نہ ہو، **فیقولون اترکوہ و قومہ فانہ ان ظہر علیہم فہو نبی صادق** (۳۴)

۴۔ ہنوز مختلف قبائل میں بیسیوں بوڑھے ایسے موجود تھے جنہوں نے فاتح یمن ابرہہ حبشی کے چالیس ہزار لشکر جرار کو مکہ پر حملہ آور ہوتے دیکھا تھا، بہ ایں ہمہ انہوں نے دیکھا تھا کہ فوج خستہ و برباد ہوئی اور سردار فوج بہ حال تباہ ایسی حالت میں بھاگا کہ نہ فوج ساتھ تھی نہ ہاتھی بل کہ سب کے سب لاشے کے

سے چار کوس پڑے سڑ رہے تھے۔(۳۵)

الغرض جب مکے پر مسلمانوں کا ایسی کام یابی اور آسانی کے ساتھ قبضہ ہوا تو اسلام لانے والوں کے سامنے سے معاہدات کی روک اٹھ گئی، قریش کا دباؤ اور رعب بھی جاتا رہا اور مسلمانوں کا مقبول خدا ہونا بھی انہوں نے اپنے مقرر کردہ معیار کے موافق دیکھ لیا اور ان وجوہات سے اسلام لانے والوں کی کثرت ہوگی۔(۳۶)

ہم یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ فتح مکہ کا ایک نتیجہ اور فوری مثبت ردّعمل قبولیت اسلام اور کثرت رجوع تھا جس کا مظاہرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اہل مکہ کے ہاں فوری نظر آیا، پھر مکے سے باہر عرب کی سطح پر بھی یہی مثبت ردّعمل (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا) درجہ بہ درجہ تمام اطراف و جوانب میں دیکھا جا سکتا ہے اور جو اگلے چند ماہ یا ۹ھ میں نظر آیا (جسے بجا طور پر عام الوفود کہا جاتا ہے) جب کہ سارے عرب سے چھوٹے بڑے وفود برابر مدینہ منورہ آ کر نہ صرف یہ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اطلاع و آگہی حاصل کرتے رہے، بل کہ اقرار اسلام اور اطاعتِ اقتدار کا بہ رضا و رغبت اظہار کر کے ترقی و استحکام دعوت نبوی کا باعث بنتے رہے۔

اوپر کی تفصیل سے فتح کے فوری مثبت ردّعمل کا تو اندازہ ہو گیا لیکن چوں کہ ردّعمل کی تین صورتیں ممکن ہوتی ہیں، اس لئے فتح مکہ کے مثبت ردّعمل کے مقابل ایک فوری منفی ردّعمل بھی سامنے آیا جو مکے سے متصل آباد ہوازن وثقیف کے مشرک و بت پرست قبائل نے دکھایا۔ لیکن اس دوسرے منفی ردّعمل کی تفصیل جاننے سے پہلے تیسرے درمیانی ردّعمل کا جائزہ لے لینا چاہئے۔ یہ قدرے انفرادی صورت میں قریش مکہ کی مؤثر اقلیت کی طرف سے سامنے آیا (جس کی قیادت میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو نمایاں تھے) فتح مکہ کے سلسلے میں جنہیں آں حضور ﷺ کی غیر متوقع آمد سخت ناپسند اور پھر مکے کی پرامن فتح، بالکل ناقابل قبول تھی، چناں چہ پہلے درجے میں مزاحمت کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ افواج اسلامی کی راست پرامن پیش قدمی کو بھرپور طریقے سے روکا جائے، اس سلسلے میں انہوں نے ضروری تیاری کے بعد خندمہ میں لشکر اسلامی کے ایک ایسے دستے سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا جس کی قیادت حضرت خالد بن ولید کر رہے تھے (بہت ممکن ہے کہ اس دستے سے ٹکرانے میں حضرت خالد بن ولید کے خلاف کچھ نہ کچھ رنجش وانتقام کی بھی آمیزش ہو، کیوں کہ کچھ ہی عرصے پہلے خود حضرت خالد بن ولید مخالف اسلام تھے اور داخل اسلام ہو کر اس وقت اپنے ہی سابق احباب واصدقا کے خلاف نبرد آزما تھے) تاریخ وسیر کے تمام مآخذ میں حضرت خالد سے ٹکرانے والے اس مزاحمتی دستے کی ناکامی کی تفصیل موجود ہے۔(۳۷)

اس جھڑپ میں بری طرح شکست، جتھہ منتشر ہونے اور فتح مکہ کے بعد درمیانی ردّ عمل کے حامل یہ تینوں قریش سردار (صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو) بھاگ نکلے کہ نہ قبول اسلام، نہ ردّ اسلام، بل کہ فرار و انتظار۔ بنی جمح کے سردار صفوان بن امیہ نے (جس کا باپ جنگ بدر میں مارا گیا تھا) مکہ مکرمہ میں آمد رسول کے بعد جدے کی راہ لی۔ اس کا چچازاد بھائی عمیر بن وہب داخل ایمان ہو کر دامنِ رسالت پناہ میں آ چکا تھا۔ عمیر نے آں حضور ﷺ سے صفوان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم نے نہ صرف امان عطا فرمائی، بل کہ بہ طور علامت اپنا عمامہ مبارک بھی عنایت فرمایا۔ صفوان عمر کے ساتھ آقائے رسالت کے حضور آیا تو (خلاف توقع عطائے امن پر متعجب ہوتے ہوئے) پوچھا آپ نے واقعی مجھے امن عطا فرمادی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، عطائے امن پر وہ پہلے ہی مبہوت تھا، کہنے لگا مجھے سوچنے کی مہلت (دو ماہ) بھی عنایت کیجئے۔ آں حضور ﷺ نے دوگنی چار ماہ کی مہلت منظور فرمادی۔ (۳۸) (قبول اسلام کے لئے اقرار و انتظار کو نہیں چھیڑا) پھر غزوۂ حنین کے لئے صفوان سے اسلحہ زرہیں وغیرہ عاریتاً لی گئیں اور وہ لشکر اسلامی کے ساتھ (دوسرے بہت سے دوسرے مشرکوں کی شرکت کی مثل) غزوۂ حنین میں شریک سفر بھی رہا، یہاں تک کہ جب جعرانہ میں تقسیم غنائم کے موقع پر آں حضور ﷺ نے (طلقا اور مؤلفۃ القلوب کی طرح) صفوان کو بھی بکریوں کے ریوڑ عطا کر دیئے تو شہ رسالت مآب ﷺ کی عطائے خسروانہ دیکھ کر کہنے لگا کہ ''خدا کی قسم اتنی سخاوت سوائے نبی کے کوئی اور نہیں کرسکتا'' اور کلمۂ اسلام پڑھ کر (مہلت و انتظام) ختم کر لیا۔ (واقدی نے نقل کیا ہے **ما طاب نفس احدٍ بمثل هذا الا نفس نبی اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً عبده و رسوله و اسلم مكانه**)۔ (۳۹)

اسی گروہ کے دوسرے رکن عکرمہ بن ابی جہل بھی مفرورین میں شامل تھے، جن کی اہلیہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں۔ وہ آں حضور ﷺ کے پاس آئیں کہ عکرمہ یمن چلا گیا ہے کہیں وہ خود کشی نہ کرلے اس لئے اس کو امان عطا فرمادیں۔ حضور ﷺ نے درخواست منظور فرما کر امان دے دی، ام حکیم ایک رومی غلام کے ساتھ ڈھونڈنے نکلیں تو پتہ چلا کہ عکرمہ کشتی میں بیٹھ کر یمن سے کہیں اور آگے نکلنا چاہتے ہیں، مگر کشتی طوفان میں گھر کر سواحل تہامہ سے آگے نہ جا سکی۔ کشتی والوں نے کہا **اخلص، فقال ای شئ اقول، قال لا اله الا الله قال عکرمه ما هربت الذين هذا** (۴۰) ایک خدا کو پکارو، عکرمہ نے کہا اسی سے تو بھاگا تھا، اتنے میں ام حکیم ان کے پاس جا پہنچیں اور بتایا کہ میں دنیا میں سے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی، سب سے زیادہ نیکوکار اور دنیا کے سب سے بہتر شخص یعنی حضور ﷺ کے پاس سے تمہارے لئے امان نامہ لے کر آئی ہوں، اس لئے اپنے آپ کو خود ہلاک کرنے

سے بہتر ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ (۴۱) بالآخر عکرمہ آں حضور کی خدمت میں پہنچے اور مختصر مکالمے کے بعد داخل اسلام ہو گئے، اور خود کہا کہ میں اللہ کو اور ان تمام حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میں مسلمان اور مجاہد اور مہاجر ہوں (**اشهد الله و اشهد من حضر انی مسلم، انی مسلم مهاجرٌ مجاهدٌ**) (۴۲) حضور ﷺ کو عکرمہ کے آنے سے بڑی خوشی تھی۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی صحابہ سے فرما دیا تھا کہ عکرمہ مومن ہو کر آ رہا ہے لہٰذا اس کے باپ (ابو جہل) کو برا نہ کہنا کہ مردہ کو برا کہنے سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے) (۴۳) بعد کی زندگی عکرمہ نے حسب وعدہ اسلام کی خدمت اور جدال و قتال میں گزاری۔ عہد صدیقی میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

تیسرا رکن سہیل بن عمرو جو مکہ کے سادات و اشراف میں شامل اور خطیب قریش کہلاتا تھا (اور صورت حالات سے پہلے ہی مرعوب تھا اس نے) اپنے بیٹے عبداللہ کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ اس کے لئے امان حاصل کرے۔ آں حضرت ﷺ نے حسب خواہش امان عطا فرمادی اور موجود صحابہ سے فرمایا کہ جو شخص سہیل سے ملے وہ اس کی طرف تیز نظروں سے نہ دیکھے کہ سہیل واقعی عاقل، بالغ اور شریف ہے، اس جیسا شخص اسلام سے جاہل اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔ (۴۴) سہیل نے بہ ہر حال اس وقت تو اسلام قبول نہیں کیا البتہ غزوہ حنین میں اسلامی لشکر کے ساتھ رہا اور جعرانہ میں تقسیم غنائم کے موقع پر عطیۂ رسالت مآب پانے کے بعد اسلام لے آیا۔ (۴۵)

اس دوسرے (درمیانی ردِّ عمل کے حامل) افراد میں بعض دوسرے مفرورین کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد راہِ فرار اختیار کی اور کچھ عرصہ بعد متفرق اوقات میں دولت اسلام سے متمتع ہوئے، مثلاً ایسے متعدد افراد میں سے عبداللہ بن الزبعری، ہبار بن الاسود، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر وغیرہ (ازراہِ اختصار ہمارے نزدیک) قابل ذکر قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ہبیرہ بن ابی وہب اور ابن الزبعری دونوں فرار ہو کر نجران جا پہنچے۔ (۴۶) لیکن خوف زدہ رہے جب تک نجران کے قلعے میں نہ پہنچ گئے دوسروں کو انہوں نے یہی بتایا کہ قریش تو سب قتل ہو گئے ہیں اور مسجد الحرام پر محمد ﷺ کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اسی اثنا میں حضرت حسان بن ثابت نے کچھ ابیات لکھ کر ابن الزبعری کو بھیجے اور شرم دلائی۔ ابن الزبعری خود بڑا شاعر تھا، حضرت حسان کے اشعار سے متاثر ہو کر خروج کا فیصلہ کیا، اس کے ساتھ ہبیرہ بن وہب نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ ابن الزبعری نے کہا: **اردت و الله محمدا**، پھر اس نے کہا: **اتریدان تتبعه؟ قال: ای** (۴۷)، اس اچانک قلب ماہیت کے بعد حسب وعدہ و ارادہ ابن الزبعری نے خدمت سید الرسل میں پہنچ کر اقرار و ایمان کر لیا۔ آں حضور ﷺ کہ اپنے اصحاب کی مجلس میں تشریف فرما

تھے کہ ابن الزبعری نے سلام عقیدت کے بعد کلمہ پڑھا اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اسلام پر قائم رہنے کا عہد کیا، جب کہ اس کا ساتھی ہبیرہ بن وہب نجران میں ہی مشرک ہو کر مرا۔(۴۸)

ہبار بن الاسود کا خون آں حضور ﷺ نے فتح مکہ کے دن مباح فرمایا تھا، مسلمانوں کو ایذا دہی کے علاوہ اس کا جرم یہ بھی تھا کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ زوجۂ ابو العاص جب مکے سے مدینے ہجرت فرما رہی تھیں تو ہبار نے اوباشوں کے ساتھ مل کر ان کا راستہ روکا اور نیزہ مارا جس سے وہ زخمی ہوئیں اور حمل بھی ساقط ہو گیا اور پھر ان کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ غزوۂ حنین اور جعرانہ وغیرہ سے فارغ ہو کر جب نبی ﷺ مدینے پہنچے تو ایک دن ہبار خود ہی مسجد نبوی میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے حاضر ہوا اور عفو و کرم کا طالب ہوا۔(۴۹) رحمت عالم ﷺ نے کرم فرمایا: **قد عفوت عنك و قد احسن الله بك حيث هداك للاسلام و الاسلام يجب ما كانه قبله**(۵۰)

وحشی بن حرب سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب کا قاتل تھا، بھاگ کر طائف پہنچا اور پھر بعد میں وہاں سے ۹ھ میں وفد ثقیف کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر خدمت ہو کر اسلام لایا، تاہم آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ اپنا چہرہ نہ دکھایا کرے، تاکہ مرحوم چچا کی یاد تازہ نہ ہو۔(۵۱) بہرحال ایمان لا کر وہ ثابت قدم رہا اور پھر عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کو اسی حربے سے واصل جہنم کیا جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔

کعب بن زہیر مشہور شاعر، ہجو رسول کے عادی، جن کا خون بھی فتح مکہ میں مباح کیا گیا تھا، انہوں نے بھی دوسرے ہجو گو شعرا کی طرح راہ فرار اختیار کی اور طائف پہنچے۔ طائف میں ان کے بھائی بجیر بن زہیر نے خط لکھ کر مطلع کیا کہ پیغمبر اسلام نے مکے میں ان لوگوں کو قتل کیا ہے جنہوں نے ان کو ایذا پہنچائی اور ہجو گوئی کی۔(۵۲) لیکن بالآخر اپنے رویہ سے پریشان ہو کر انہوں نے خدمت رسول میں جانے کا فیصلہ کیا اور تلافی مافات کے طور پر قصیدہ بانت سعاد لکھ کر ساتھ لے گئے۔ تائب و نادم ہو کر اپنا تعارف خود کرایا اور امان طلب کی(۵۳) حضور ﷺ نے معافی تلافی قبول کی اور قصیدہ پسند فرما کر اپنی چادر مبارک عطا کر دی۔ اب وہی قصیدہ ہر زمانے میں وظیفۃ المومنین بن کر مشہور و معروف ہے۔

فتح مکہ کا تیسرا فوری منفی ردعمل جس کی نشان دہی ہم اپنے اوپر کے بیان میں کر چکے ہیں کہ یہ تاثر ہوازن و ثقیف کے قبائل کی طرف سے ظاہر کیا گیا۔ مولانا شبلی رقم طراز ہیں: ”مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا، یہ قبیلے نہایت جنگ جو اور فنون جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطرب ہوتے

تھے کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر فتح مکہ (کے بعد) ہوازن (اور ثقیف) کے رؤسا (نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں) قرارداد ہوگئی کہ (مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں) ایک تمام حملہ کردیا جائے''۔ (۵۴) چناں چہ اپنے سردار مالک بن عوف کی سرکردگی میں ۲۰ ہزار کی فوج تیار ہوگئی۔ آں حضرت ﷺ نے اپنے جاسوس عبداللہ بن ابی حدرد الاسلمی کے ذریعہ تمام حالات کی تصدیق کرالی اور جوابی کارروائی کے لئے ضروری انتظامات فرمائے۔ ضروری اسلحے کی فراہمی اور بڑے لشکر کی ضروریات کے تحت قرض کی رقم اور عاریتاً ساز و سامان مہیا کیا گیا۔ (۵۵) یہاں تک کہ ۱۲ ہزار لوگوں پر مشتمل ایک لشکر تیار ہو گیا۔ (۵۶) جس کی تحت شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین، اوطاس و طائف کے معرکے سر کئے گئے، جن کی تفصیلات کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ البتہ ردّ عمل کا اندازہ لگانے کے لئے بعض پہلوؤں پر گفت گو مناسب ہوگی۔

امن کا حصول حضور ﷺ کی سب سے پہلی ترجیح تھی، مکے کی فتح مکمل پر امن فتح تھی، پیش قدمی سے پہلے ہی آپ ﷺ نے اپنے امرا لشکر سے یہ عہد لیا تھا کہ جب تک دوسرا حملہ آور نہ ہو مقاتلہ نہ کیا جائے (و کان رسول اللہ ﷺ قد عهد الی امرائه من ا لمسلمین حین امرهم ان یدخلوا مکة ان لا یقاتلوا الا من قاتلهم) (۵۷) بعد ازاں جب ایک امیر لشکر حضرت سعد بن عبادہ نے الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الحرمة الیوم اذل اللہ قریشا کا نعرہ لگایا تو بارگاہ نبوی میں پسندیدہ نہیں سمجھا گیا بل کہ جھنڈا حضرت سعد سے لے کر ان کے صاحب زادے کو عطا کردیا گیا۔ (۵۸) اسی ترجیح کے تحت قیام مکہ کے دوران آں حضرت ﷺ نے ہر قسم کی قتل و خوں ریزی، لوٹ مار، بدامنی، غارت گری سے اجتناب فرمایا اور مکمل امن و امان کا قیام و استحکام یقینی بنایا۔ اسی دوران قبائل ہوازن و ثقیف کے حملے کی اطلاعات نے گویا مجبور کردیا کہ آں حضور ﷺ بھی مقابلے کے لئے تیاری فرمائیں اور جارحیت کو پنپنے نہ دیں۔ لشکر نبوی ﷺ میں دس ہزار قدوسیوں کی جماعت تو وہی تھی جو مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کی قیادت میں مکہ مکرمہ آئی تھی اور حنین کا معرکۂ کارزار اصلاً انہوں نے سر کیا، البتہ ۲ ہزار مکی نو مسلموں اور مشرکوں کی اضافی طور پر شرکت کئی امور کو ظاہر کرتی ہے اور سیرت نبوی ﷺ کے کئی روشن پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اعتماد علی اللہ، حالات و معاملات پر گرفت، نو مسلموں کی اصلاح و تربیت، مظاہر شرک و بت پرستی کا دفعیہ، اور غیر مسلم شرکا کے طرز عمل پر نظر وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی واقعات سے تصدیق ہوتی ہے۔

غزوۂ حنین کی روانگی کے وقت مکہ مکرمہ پر جناب عتاب بن اسید کا بہ طور والی تقرر اور حضرت معاذ بن جبل کا تعلیم اسلام اور فقہ وسنن کی رہ نمائی کے لئے بہ طور معلم تقرر (۵۹) ثابت کرتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد شہر کے سیاسی، تنظیمی معاملات معمول کے مطابق مرتب ہو چکے تھے۔ ازاں بعد لشکر اسلامی کا دوران سفر ذوات انواط نامی ایک ہرے بھرے عظیم الشان درخت سے گزرا ہوا (جو اہل جاہلیت کے نزدیک بڑا مقدس ومتبرک تھا اور وہ حج وزیارت میں جسے اپنے اعتکاف وقربانی اور عقیدتوں کا مرکز مانتے تھے (۶۰)) کہ اسی اثنا میں اہل مکہ کے ایک گروہ کی طرف سے درخواست کی گئی کہ ایک ذات انواط کی ہمارے لئے بھی اجازت مرحمت فرمایئے۔ ظاہر ہے اس ناجائز مشرکانہ خواہش کو آں حضور ﷺ نے فوری ردّ فرمایا (فقال رسول الله ﷺ الله اکبر الله اکبر قلتم والذی نفسی بیده کما قال موسیٰ "اجعل لنا الهاً کما لهم آلهة قال انکم قوم تجهلون، انها للستن سنن من کان قبلهم" (۶۱)) غالباً اسی موقع پر جب کہ آں حضور ﷺ استراحت فرما رہے تھے اور آپ کی شمشیر اور کمان درخت پر لٹکی ہوئی تھی، ایک مشرک (یا دشمن جاسوس) نے آکر آپ کی تلوار پر قبضہ کیا اور آپ کو بیدار کر کے پوچھا ''اے محمد اب آج کے دن میرے ہاتھوں سے تم کو قتل ہونے سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے انتہائی اطمینان سے فرمایا: اللہ! یہ سن کر اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور تلوار ہاتھ سے گر گئی، تب آں حضرت ﷺ نے اٹھا کر کہا اب تو بتا، اس پر وہ گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا، چناں چہ آپ ﷺ نے معاف فرما دیا۔ دوسرے صحابہ نے اس کے قتل کی آپ ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے روک دیا اور فرمایا کہ ''اللہ میرا محافظ ونگراں ہے، جب تک کہ اللہ کا دین دوسرے تمام ادیان پر غالب نہ ہو جائے''۔ (۶۲)

مولانا شبلی کے مطابق ''شوال ۸ھ مطابق جنوری فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے'' لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی (۶۳) اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی اور ایسی فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں۔ (۶۴) آیات کا مضمون اور روایات کے مطابق اولین مرحلے میں یا اس سے متصل اسلامی فوج کو وقتی طور پر نقصان اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا (جس کے متعدد اسباب تھے) (۶۵) لیکن (بعد میں) جب کہ حضور ﷺ مسلسل پیکر استقامت بنے رہے اور بار بار یہ کہہ کر کہ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب لوگوں کو بلاتے رہے (۶۶) حضرت عباس نے بھی حکم رسالت کے تحت منتشر ہو جانے والوں کو آوازیں

دیں تو سب پلٹ پڑے اور میدانِ کارزار بہ قول رسول مقبول ﷺ (الآن حمی الوطیس) ایسا گرم ہوا کہ اعداو مشرکین ھوازن تاب نہ لا سکے، انہیں شکست فاش ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے، ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ مختلف اطراف میں منتشر ہو گئے بعض طائف پہنچے، بعض نخلہ کی طرف اور ایک جماعت اوطاس میں جا کر جمع ہو گئی، جہاں درید ہ بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار تھا، چناں چہ حضور ﷺ نے ابو عامر اشعری کو جھنڈا دے کر اس کے تعاقب میں بھیجا، ابو عامر نے جا کر مقابلہ کیا اور ان کے ۹ جنگجوؤں کو تہ تیغ کیا، دسواں آدمی درید بن الصمہ کا بیٹا سلمہ تھا، جو ان پر غالب آ گیا اور انہیں شہید کر دیا۔ ابو عامر نے گرتے گرتے جھنڈا ابو موسیٰ اشعری کے حوالے کیا، ابو موسیٰ نے شدید حملہ کر کے زید کے بیٹے سلمہ کو قتل کر دیا، خود درید بھی ربیعہ بن رفیع کے ہاتھوں مارا گیا، آخر کار اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ لشکر کفار کے حنین اور اوطاس کی جنگ میں کل ۷۲ آدمی مارے گئے، جب کہ مسلمانوں میں سے ۵ حضرات نے جام شہادت نوش فرمایا۔ (۶۷)

جب فوج مخالف سے میدان صاف ہو گیا تو حضور ﷺ کے حکم سے بے شمار اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو جمع کیا گیا اور جوانہ میں منتقل کر دیا گیا اور تقسیم اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دی گئی، جب تک کہ آپ ﷺ محاصرۂ طائف سے فارغ ہو کر واپس تشریف نہ لائیں۔ (۶۸)

غرض آں حضرت ﷺ کی سپہ سالاری میں، غنیم کی ایک بڑی اور جنگ جو فوج کے مقابلے میں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے، مسلمانوں کی بے ساختہ لغزش کو نظر انداز کرتے ہوئے ملائکہ کی بروقت مدد واعانت سے (جو سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور جن کے سرخ عمامے شانوں کے بیچ پڑے تھے) فتح عطا فرمائی اور آخر الامر سید الرسل کی مٹھی بھر کنکریوں کو دشمن فوج پر پھینکتے ہوئے کلمات دعا میں ان کے انجام کی بھی خبر دے دی: انھزموا و رب الکعبۃ ''رب کعبہ کی قسم ان کی شکست یقینی ہو گئی'' (۶۹)

غزوۂ بنو ھوازن سے لے کر محاصرۂ طائف اور وہاں سے (واپسی میں جعرانہ جناب اقدس ﷺ کے قیام وسکونت اور تقسیم غنائم، مال واسباب، مویشی اور دیگر انعامات کے بعد) سے مکہ مکرمہ واپسی تک کے پورے عرصے میں اگر ایک طرف حضور ﷺ کی بے مثال قیادت، بے نظیر صبر وثبات، استقامت اور جنگ جویانہ مہارت وکرامت کا عملی مظاہرہ دیکھا جا سکتا ہے، تو دوسری طرف تمام تر خدشات وامکانات کے باوجود مکی نومسلموں کی شرکت کو خوش دلی کے ساتھ گوارا کر کے (ان کے تحفظات، وسوسہ انگیزی، اور فتور نیت اور طرز عمل (۷۰) کے باوجود) جس عالی ظرفی، خوش دلی، فیاضی ودریا دلی سے کام لیا گیا، اس نے دوررَس نتائج وثمرات پیدا کئے۔ کفار ومشرکین منتظرین کی قلب ماہیت، تعلیم دین، توحید واعلائے کلمۃ

الحق کی ترویج، اور بلا جبر و اکراہ اسلام کے لئے رغبت اور توسیع دعوت کے نتیجے میں توسیع اقتدار اسلامی کے مراحل بہ آسانی طے کر لئے گئے۔ فتح مکہ کے متصل بعد ہوازن، اوطاس کے سقوط و زوال نے دعوت اسلامی کی وسعتوں کو مزید کمال بخشا، نیز فتح مکہ کے بعد (اقرار اسلام کے لئے) انتظار کرنے والے اور مہلت مانگنے والے طبقے نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حالات وکوائف دیکھ کر صدق دل سے اسلام لانے کا فیصلہ کرلیا، چناں چہ ان کی اکثریت زیر سایۂ اسلام آگئی۔

۴۔ دعوت نبوی ﷺ کا اتمام و اکمال

تاریخ رسالت نبوی ﷺ کا وہ دور جو اختتام عداوتِ قریش اور فتح مکہ کے اثرات کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں زیر بحث آیا، مجموعی طور پر کئی اور قابل ذکر پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے مثلاً:

ا۔ یہ دور آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں اس اعتبار سے خاص الخاص ہے کہ آپ ﷺ نے (رمضان ۸ھ تا ذی قعدہ ۸ھ کے دوران) تقریباً ۲/۱، ۲ ماہ کا عرصہ دار الحکومت سے باہر گزارا، اور سفر و حضر، لشکر کشی، معرکہ آرائی کی مسلسل مصروفیت کے ساتھ اسی دورانِ دعوت اسلامی اور اعلائے کلمۃ الحق کا اہتمام برقرار رکھا(۷۱) دار الحکومت سے اتنی طویل مسلسل غیر حاضری غالباً پہلے کبھی واقع نہیں ہوئی۔

۲۔ عداوت قریش اور دعوت نبوی ﷺ کی باہمی آویزش کی ۲۱ سالہ تاریخ میں، اصل معرکہ آرائی کا آغاز ۲ھ میں جنگ بدر سے ہوا اور اختتام اولاً ۸ھ میں فتح مکہ پر اور ثانیاً غزوۂ حنین پر شوال ۸ھ میں ہوا۔ گویا اس آویزش کے نقطہ ہائے آغاز و انتہا یہی دونوں غزوات بدر و حنین ہیں۔ جس پر کہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے اور اپنے احوال و نتائج میں ان دونوں کے درمیان گہری مماثلت پائی جاتی ہے، مثلاً:

الف: دونوں مواقع پر جنگ جو کفار و مشرکین کی سپاہ کثرت میں تھی (ایک ہزار، ۲۰ ہزار) جب کہ ان مقابل اہل ایمان مجاہدین اسلام قلت میں تھے (۷۲) (۳۱۳ اور ۱۲ ہزار)

ب: دونوں غزوات میں آسمانی بارش اور ملائکہ ربانی کے ذریعے فتح و نصرت خداوندی مسلمانوں کے شامل حال رہی۔ (۷۳)

ج: دونوں مواقع پر جب گھمسان کا رن پڑا تو سالار اعظم ﷺ نے بدر میں مٹھی بھر ریت بھر کر شاھت الوجوہ کہتے ہوئے لشکر اعدا کی طرف پھینکی (۷۴) اور اس کے معاً بعد فتح نے مسلمانوں کے قدم چومے، جب کہ معرکۂ حنین میں بھی جب معرکۂ کارزار گرم ہوگیا (الآن حمی الوطیس) (۷۵) تو حضور ختم الرسل ﷺ نے مٹھی بھر کنکر لے کر انھزموا و رب الکعبۃ فرماتے ہوئے لشکر کفار ہوازن کی

طرف پھینکے اور اس کے بعد ہی انہیں بری طرح شکست ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔(۷۶)

د: غزوۂ بدر میں کفار و مشرکین کے ۷۰ آدمی مارے گئے، جب کہ حنین اور اوطاس کی جنگ میں کفار و مشرکین کے ۷۲ آدمی مارے گئے۔ (۷۷) بدر میں کفار کے قیدیوں کی تعداد ۷۰ تھی، جب کہ حنین میں اسیرانِ جنگ کی تعداد ۶ ہزار سے زیادہ تھی۔(۷۸)

ھ: بدر کے موقع پر (۲ھ) میں جب لشکر اسلام قریش کے مسلح لشکر سے ٹکرایا تھا تو ظاہری مادی طاقت کے عدم توازن کے باوجود جنگ فیصلہ کن ثابت ہوئی، حق و باطل کے معرکے میں اصل فتح حق، اسلام اور مسلمانوں کو ہوئی اور پورے عرب نے پہلی مرتبہ یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی معمولی قوت نے قریش کی عظیم قوت کو شکست و ریخت سے دوچار کر دیا ہے اور علم برداران توحید کے فقرا و ضعفا نے علم برداران شرک و کفر کے قریش امرا و زعما کی شان و شوکت خاک میں ملا دی ہے۔ ادھر محض چھ سال کے بعد حنین کے معرکہ میں قبائل ھوازن وثقیف کا ۲۰ ہزار پر مشتمل لشکر کثرت تعداد اور بہترین انتظامات کے باوجود افواج اسلامی سے بری طرح شکست کھا گیا اور اپنا سب کچھ گنوا دیا، یہ جنگ بدر سے زیادہ بڑی اور فیصلہ کن ثابت ہوئی، بدر میں قریش سے پہلا ٹکراؤ تھا، اور پہلی ہی ٹکر میں مکے کے جگر کے ٹکڑے کھیت رہے، ان کے اشراف قریش ہلاکت سے دوچار ہوئے اور ان کی عزت شہرت خاک میں مل گئی تھی، لیکن حنین تک پہنچتے پہنچتے قریش کا جھنڈا مکمل سرنگوں ہو چکا تھا، یہاں تک کہ ہوازن کے خلاف لشکر کشی میں قریش مکہ کے ۲ ہزار مسلم مشرک بھی شریک تھے (یعنی شرک و کفر کی بچی کھچی جو قوت قریش کے علاوہ رہ گئی تھی) شکست کھانے کے بعد معدوم ہو گئی۔ اسی لئے ایک معاصر مصنف کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ ''ہوازن کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے ہی قریش کا جھنڈا سرنگوں ہو گیا تھا اور مکے پر اہل توحید کے قبضے سے ریاست مدینہ اور ہوازن کے درمیان حائل قریش کی قوت ختم ہو گئی تھی''۔(۷۹) موصوف کا یہ تبصرہ بھی برمحل ہے کہ ''اللہ کی مدد اور اللہ کے رسول کی قیادت نے اہل توحید کو اتنے بڑے لشکر کے خلاف اتنی بڑی فتح دی کہ اس کے بعد ملک عرب میں کہیں بھی شرک کے پاؤں جم نہیں سکتے تھے، اپنے نتائج اور ثمرات کے حوالے سے حنین کی لڑائی مکہ کی فتح سے بھی بڑی کامیابی تھی''۔(۸۰)

۳۔ عداوت قریش اور دعوت نبوی ﷺ کی محولہ بالا ۲۱ سالہ تاریخی آویزش ثابت کرتی ہے کہ عرب میں اصل کارفرما قوتیں یہی دو تھیں، جب کہ دوسرے عناصر، یعنی یہود و نصاریٰ، آزاد سرکش متفرق قبائل وغیرہ ایک خاص وقت میں اپنا کردار دکھا کر، کنارہ کش ہو گئے یا مغلوب یا معدوم ہو گئے۔ چناں چہ غزوۂ حنین کے بعد کفر و شرک کی سب سے بڑی نمائندہ قوت یعنی قریش کی شکست و ریخت کے بعد سارا عرب ہی

گویا زیر دام رسالت ﷺ آ گیا اور اندرون جزیرہ نمائے عرب میں ایسی قابل ذکر کوئی قوت باقی نہ رہی تھی جو مدمقابل آ سکے۔ اس لئے فتح مکہ وحنین کے بعد (یعنی ۸ ھ میں) ہی غلبہ وتمکنِ دعوت نبوی ﷺ اتمام واکمال کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ مشہور برطانوی مستشرق سر ولیم میور کہتا ہے کہ ''فتح مکہ نے اسلام میں ایک نئے باب کا آغاز کیا، اس نے عملی طور پر یہ طے کر دیا کہ عرب میں برتری کس کو حاصل ہوئی، پھر فوراً بعد حنین کی فتح نے صرف یہی نہیں کہ مدینے پر حملے کے ہر خطرے کا ہمیشہ کے لئے سدباب کر دیا بلکہ اس نے فطری طور پر محمد ﷺ کو اس ارفع مقام پر سرفراز کر دیا، جہاں سے تمام عرب پر فرماں روائی وحکم رانی کو تسلیم کیا جا سکتا تھا''۔ (۸۱)

۴۔ یہ امر تقریباً طے شدہ تھا کہ دعوت نبوی ﷺ کو قبول کرنے والے مسلمانوں کی عددی اکثریت انتہائی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی تھی، عوام الناس کے علاوہ مجاہدین اسلام کی روز افزوں ترقی کا اندازہ (۵ تا ۸ ھ) صرف تین سالوں کے درمیان ہی لگایا جا سکتا ہے، غزوۂ خندق میں ۳ ہزار کا لشکر جس میں انصار ومہاجرین کی اکثریت تھی، فتح مکہ کے لئے جانے والا لشکر ۱۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھا، جسے جمع ہونے کے لئے تیاری کا زیادہ وقت بھی نہیں ملا تھا لیکن عناصرِ مشمولہ میں انصار مہاجرین کے علاوہ نجد کے قبائل اشجع، سلیم، سعد، اور اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، خزاعہ اور تمیم کے دستے بھی شامل تھے، یہی لشکر حنین میں مسلم نو مسلم غیر مسلم مکی شرکاء کے بعد ۱۲ ہزار تک پہنچ گیا اور جب سات ماہ کے بعد آپ ﷺ تبوک کے لئے نکلے تو ۱۸ ہزار کے اضافے کے ساتھ ۳۰ ہزار کا لشکر قدم بہ قدم تھا۔

۵۔ انہدام اصنام کعبہ اور تطہیر بیت اللہ کے بعد یہ انتظام جاری رکھا گیا کہ کفر وشرک کے دیگر تمام مراکز، معبدوں، استھانوں کو ختم کر کے حق کی برتری اور توحید کی سروری قائم ہو، اس سلسلے میں پہلے یہ ذکر آ چکا ہے کہ مختلف سرایا کو اسی مقصد سے بھیجا گیا، مثلاً حضرت خالد بن ولید کو انہدام عزّیٰ کے لئے، ذی الکفین کو صنم عمرو بن بن حممۃ کو ڈھانے کے لئے حضرت طفیل بن عمرو الدوسی کو، اور امشلل میں مناۃ کے انہدام کے لئے سعد بن زید الاشہلی کو، اور صنم ہذیل سواع کے خاتمے کے لئے حضرت عمرو بن العاص کو روانہ کیا گیا۔ (۸۲) اسی طرح مثلاً حضرت علی کو صنم بنو طے کے انہدام کے لئے بھیجا گیا۔ (۸۳) دوسرے قسم کے سرایا مختلف قبائل اور علاقوں میں دعوت نبوی ﷺ کی توسیع، دین حق کی ترجیح اور اطاعت اقتدار کی تصدیق کے حوالے سے منظم کئے گئے، مثلاً سریۂ خالد الی بنی جذیمہ (۸۴)، سریہ عیینہ بن حفص الفزاری الی بنی تمیم (۸۵)، سریہ قطبہ بن عامر الی خثعم (۸۶)، سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی الی بن کلاب وغیرہ (۸۷) وغیرہ۔

۶۔ یہ بھی فتح مکہ اثرات مابعد میں داخل ہے کہ عرب کے مختلف علاقوں سے چھوٹے بڑے ہر قسم کے وفود پے در پے خدمت نبوی ﷺ میں آتے گئے اور آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے گئے۔ (۸۸) ''آپ ﷺ کی امارت و سیادت کو ہر جگہ تسلیم کیا گیا اور جزیرہ نما کے دور دراز علاقوں مثلاً یمن، حضر موت، مہرہ، عمان، بحرین، سرحد شام اور فارس وغیرہ سے قبائل مدینے آ کر آپ ﷺ کی خوش نودی حاصل کرنے اور اظہار اطاعت میں سبقت کرنے لگے، ان کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک کیا گیا اور ان کو واپسی کے لئے اخراجات بھی فراہم کئے گئے''۔ (۸۹) ''وہ قبائل جو دومۃ الجندل کے قریب آباد تھے، انہیں بھی غزوۂ تبوک کے موقع پر زیر اطاعت لایا گیا، اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے بھی ایک معاہدہ کیا گیا، جنہوں نے اسلامی ریاست کی اطاعت قبول کر لی، اس طرح پورا عرب ایک حکم راں، ایک حکومت، او رایک قانون کے ماتحت متحد ہو گیا، ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہو گیا''۔ (۹۰)

۷۔ رمضان ۸ھ میں انہدام اصنام کعبہ اور تطہیر بیت اللہ کے معاً بعد کفر و شرک کے دیگر تمام مراکز، معبدوں، مندروں کا اگلے چند ماہ میں صفایا کر کے، کفر و شرک کی آخری حد تک بیخ کنی کے لئے جو کسر رہ گئی تھی (کچھ ماہ بعد) ۹ھ کے موسم حج میں اس کی نوبت آ گئی۔ مولانا شبلی نے ''حج اسلام اور اعلانِ برأت'' کے تحت موقع ومحل کی وضاحت کے بعد لکھا ہے کہ ''اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادت ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ میں آں حضرت ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قافلہ سالار، حضرت علی رضی اللہ عنہ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ معلم تھے''۔ (۹۱) آگے رقم طراز ہیں کہ ''یہ پہلا موقع تھا کہ رقم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دی جائے، زمانہ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے''۔ (۹۲)

ان مقاصد کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ بہ قول مولانا شبلی ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی، یوم النحر میں خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے سورۂ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ ہو کر حج کر پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقضِ عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے''۔ (۹۳) عنوان کا اختتام اس جملے پر کیا ہے

''طبری نے بہ واسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے''۔(۹۴)

۸۔ حج ۹ھ کے موقع پر (مندرجہ بالا) حتمی قطعی اعلانات، نہ صرف یہ کہ حکومتی اور داخلی حج پالیسی کے اہم نکات تھے، بل کہ فتح مکہ کے اثرات کی تکمیل تھی جس نے جزیرہ نمائے عرب کے داخلی حالات کو کلی طور پر آقائے رسالت پناہ ﷺ کے تابع کر دیا تھا، مزید برآں (سورۂ توبہ میں) اللہ کی طرف سے چار ماہ کی مہلت دے کر گویا یہ واضح کر دیا تھا کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد کافروں، مشرکوں کا ہر طرف سے گھیراؤ کیا جائے گا، خانۂ کعبہ تک ان کی رسائی ناممکن ہوگی، مراسم جاہلیت کی عمل داری ناقابل عمل، انفرادی اجتماعی کافرانہ مشرکانہ اعمال ورسوم کی گنجائش ختم اور معاہدات وغیرہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ سب اگر چہ اعلانات تھے اور اس کی نوبت نہیں آنے پائی تھی کہ کسی زور وز بردستی، جبر واکراہ سے کام لیا جائے، تاہم اُس وقت تک کی کارکردگی اور کئے جانے والے اقدامات نے آئندہ کے غلبے کے لئے کسی قسم کا کوئی شک وشبہ یا ابہام وابہام باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا کافی ثبوت اس وقت تک حاضر خدمت نبوی ہونے والے وفود بھی تھے، بعد ازاں ملک کے گوشے گوشے سے وفود کی آمد ورفت نے اسلام کی بہ رضا ورغبت چاہت، ریاست نبوی ﷺ کی غیر مشروط طاعت ظاہر کر دی اور مسلسل اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے بیعت کرنے، فرمان، امان حاصل کرنے کی سرگرمیاں وصال نبوی ﷺ تک جاری وساری رہیں۔ پھر غزوہ تبوک میں رومی قوت سے ٹکراؤ نہ ہونے کے باوجود فوائد واقعۂ فتح سے زیادہ حاصل ہوئے۔ علاوہ ازیں حدود عرب میں واقع رومی ایرانی نمائندہ حکام ووالیان یکے بعد دیگرے مغلوب ہوتے چلے گئے اور وہاں کے عرب قبائل رومی/ ایرانی سیاسی مذہبی سرپرستی شرک کر کے ریاست مدینہ کی بالادستی قبول کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ غزوۂ تبوک کے ضمنی فوائد اور ثمرات قابل ذکر ٹھہرے۔ اکیدر بن عبدالملک حاکم دومۃ الجندل کی طرف حضرت خالد بن ولید کو سواروں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا گیا تھا، اس نے بالآخر جزیئے پر صلح کر لی، اس دوران ایلہ/ عقبہ کا عیسائی حکم راں یوحنا بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا منظور کیا، اس کے علاوہ جر باراور اہرم کے عیسائیوں سے بھی جزیئے پر صلح ہوگئی۔ یہ ایسے واقعات تھے جنہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی دعوت ورسالت کو جزیرہ نمائے عرب کی تمام سرحدوں سے پار پہنچا دیا اور آپ ﷺ کا اقتدار بلا شرکت غیرے پورے عرب پر محیط ہو گیا، ریاست مدینہ کی حدود دومۃ الجندل سے بحیرۂ عرب تک اور بحر احمر سے خلیج فارس کے کناروں تک وسیع ہو گئیں اور جہاں جہاں شرک وکفر پر جو جزیرہ باقی رہ گئے تھے وہ لشکر توحید کے محاصرے میں آچکے تھے۔(۹۵)

۹۔ اسلام اور دعوت نبوی ﷺ اور ریاست نبوی کی توسیع وتکمیل کی اس منزل پر انتظام وانصرام

مملکت کے لئے اقدامات میں مزید مستعدی مطلوب تھی، تاہم یہ امر قابل ذکر ہے کہ تقرر عمال و حکام، مصدقین ومحصلین وغیرہ کے تقرر کا سلسلہ ۸ھ میں آں حضرت ﷺ نے فتح مکہ کے فوری بعد بلکہ اسی دن سے شروع کر دیا تھا۔ مثلاً سوق کلہ پر سعید بن سعید بن العاص کا تقرر، یا مثلاً حنین وطائف کے لئے نکلتے وقت مکہ پر ہبیرہ بن سہل بن العجلان الثقفی کا تقرر، پھر طائف وغیرہ سے واپس آ کر مدینے روانگی کے وقت مکے پر عتاب بن اسید کو ولایتِ مکہ اور حج ۸ھ کی نظامت سپرد کی گئی۔ (۹۶) انتظامات حکومت ومملکت کی تفصیلات مولانا شبلی کے علاوہ تاریخ وسیر کی اکثر چھوٹی بڑی کتابوں میں دی گئی ہے۔ (۹۷) اور ظاہر ہے کہ ہمارے لئے ان تفصیلات کو یہاں موضوع بنانا ممکن نہیں ہے، اس لئے ان ہی اشاروں پر اکتفا کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۰۔ فتح مکہ کے اثرات کا ظہور اگلے سالوں میں مسلسل ہوتا رہا۔ ۹ھ میں عملی طور پر دعوت وریاست نبوی کی توسیع اور استحکام بلوغ کی آخری منزل تک پہنچ گیا، اس لئے ۱۰ھ میں منتہائے منزل کا اعلان حجۃ الوداع کی صورت میں سامنے آیا، جب کہ مدینے سے مکہ معظمہ پہنچ کر جب حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں سے آ کر شریک حج ہونے والے تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار جانثارانِ اسلام آپ ﷺ کی معیت میں سماعت کر رہے تھے اور یہ گواہی دے رہے تھے کہ بے شک آں حضور ﷺ نے اپنے فرائض منصبی کو کما حقہ ادا کیا ہے اور دینِ اسلام اتمام واکمال کی منزل کو پہنچ گیا ہے۔

اسناد وحواشی

۱۔ اختتام غزوہ خندق پر حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک یا تبصرہ، تاریخ وسیر کے ابتدائی وثانوی مآخذ میں بھی نقل کیا گیا ہے اور بخاری، مسند احمد وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ ہمارے حوالے میں الفاظ ابن ہشام (ج ۳، ص ۲۶۶) کے ہیں، جن کا اختتام حتی فتح الله علیه مکة پر ہوتا ہے۔ تاہم ابن اثیر کے مطابق قول رسول میں یہ الفاظ وصیغے کی تبدیلی کے ساتھ اظہار حقیقت اور نمایاں ہوگیا ہے قال رسول الله ﷺ الآن نغزوھم و لا یغزوننا فکان ذلك حتی فتح الله مکة (ابن اثیر۔ الکامل، بیروت ۱۹۸۷ء: ج ۲، ص ۷۴) ابن سید الناس ۷۳۴ھ نے عیون الاثر میں لکھا ہے، وقال ﷺ حین اجلی الاحزاب الآن نغزوھم و لا یغزوننا نحن نسیر الیھم ذکرہ البخاری بسندہ (ج ۲، ص ۶۶) ابن کثیر کے مطابق قال محمد بن اسحاق رحمه الله فلما انصرف اھل الخندق عن الخندق قال رسول الله ﷺ فیما بلغنا لن تغزوکم قریش بعد عامکم و لکنکم تغزونھم قال فلم تغز قریش بعد ذلك و کان یغزوھم بعد ذلك حتی فتح

الله علیه مکة (ج ۳، ص ۲۲۱) دیار بکری نے تاریخ الخمیس (ج ۱، ص ۴۹۲) میں اسے معجزہ رسول سے متصف کیا ہے: قال ﷺ لن تغزوکم قریش بعد عامکم هذا ان کذلك فهو معجزة

۲۔قرآن کی سورۃ الفتح میں صلح حدیبیہ اوراس کے تمام متعلقات کے بارے میں الہامی بیان موجود ہے، یہ سورہ انعقاد صلح کے بعد آں حضور ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم کی مراجعت مدینہ کے موقع پر اثنائے راہ میں نازل ہوئی۔آغاز سورہ میں ہی صلح حدیبیہ کو اللہ نے فتح مبین سے تعبیر کیا۔حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اس فتح کی مبارک باد دی اور آں حضرت ﷺ نے دوسرے صحابہ کو۔اسی سورۃ کی آیت ۲۱ و اُخریٰ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ کَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا، میں ایک طرف تو فتح خیبر بہ طور انعام عطا کرنے کی خبر دی اور دوسری طرف مکے کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی تھی لیکن اس کے بارے میں بے ساختہ فرمادیا گیا کہ وہ بھی گویا مل ہی چکی ہے، کیوں کہ اللہ نے اس کا وعدہ کرلیا ہے اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اس صلح حدیبیہ کا ہے (کہ وہ تمہارے بس میں نہ سہی اللہ کے قابو میں ہے) دیکھئے، حاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی، ص ۶۸۲ بر مصحف مطبوعہ مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ، ۱۹۸۹ء

۳۔ان کے نام اور تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے ایک نظر اس فہرست پر ڈالی جاسکتی ہے جو ہم نے اپنی بحث کے دوران بڑے بڑے خبیث وشریر مخالفین ومعاندین کی مرتب کی ہے (ملاحظہ ہو باب اول، ص ۲۳ تا ۲۵) دوسرے مرحلے میں دعوت وعداوت پر ایک دہائی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد (جنگ بدر، ۲ھ میں) شریک ہوکر قتل ہونے والے ۷۰ کفار ومشرکین مکہ اور ۷۰ وہ جنہیں قید کیا گیا۔ان کی تفصیل، نام، خاندانی وابستگی اور فہرست وغیرہ تاریخ وسیر کے ابتدائی وثانوی مآخذ میں درج ہے۔مثلاً ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۶۶ تا ۳۷۱۔ابن الاثیر: ج ۱ ص ۵۹۲ تا ۵۹۵۔ واقدی: ج ۱ ص ۱۲۶ تا ۱۴۴ وغیرہ وغیرہ) ظاہر ہے یہ اتنی بڑی تعداد ہے جس کو یہاں نقل نہیں کیا جاسکتا۔تاہم ان سب میں نمایاں ترین شخصیت جسے آں حضرت ﷺ نے فرعونِ امت قرار دیا ہے، جو مکی جاہلی معاشرے میں اپنی حیثیت، قدر ومنزلت اور اثر ورسوخ میں ثانی نہیں رکھتا تھا، جس نے ظہور رسالت مآب ﷺ کے بعد عداوت و مخالفت قریش کو منظم کیا اور تحریک بنایا، نیز یہ اُس کی ضد، ہٹ دھرمی، انا پرستی، بغض وعناد کا شاخسانہ تھا کہ قافلۂ ابو سفیان کے بہ سلامت گزر جانے کے باوجود جس نے بلا جواز جنگ بدر کو بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ابو جہل کی شخصیت میں خود غرضی، انا پرستی اور ذاتی وجاہت اور تکبر کا جوز ہر بھرا ہوا تھا اس کا اندازہ مختلف مواقع پر اس کی گفت گو، مکالمے اور اظہار ذات سے کیا جاسکتا ہے۔مثلاً جب کہ ابو سفیان نے اپنے قافلۂ تجارت کو آں حضرت ﷺ کی طرف سے لاحق خطرے کی اطلاع ضمضم بن عمرو کے ذریعے قریش کو دی کہ اسی اثنا میں عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب قریش کی محفلوں میں موضوع بحث بن گیا تو ابو جہل آپے سے باہر ہوگیا اور کہنے لگا کہ سقایہ، قادہ، حجابۃ، ندوہ کی شان وبزرگی کے بعد بنو ہاشم میں نبی اور نبیہ بھی پیدا ہوگئے؟ فلا والات و العزی لا کان هذا ابداً، لات و عزی کی قسم اب یہ نا قابل برداشت ہے، میں نہیں مان سکتا۔الواقدی: کتاب المغازی، ج ۱ ص ۴۴، ۴۵۔ابو جہل کا قتل قریش مکہ کے لئے بہت بڑا حادثہ اور قومی نقصان تھا۔قریش کے لئے المیہ یہ تھا کہ ابو جہل کے علاوہ ان کے بڑے بڑے قائد ورہ نما، مخالفت وعداوت کے سرپرست بھی مارے گئے۔مثلاً حنظلہ بن ابی سفیان، عبیدہ بن سعید بن

العاص، عاص بن سعید بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ولید بن عتبہ، حارث بن عامر بن نوفل، طعیمہ بن عدی، زمعہ بن الاسود، حارث بن زمعہ، ابوالبختری، نوفل بن خویلد بن اسد، طلحہ بن عبید اللہ، النصر بن الحارث، عاص بن ہشام، حرملہ بن عمرو، مسعود بن ابی امیہ، ابوقیس بن الولید بن المغیرہ، رفاعہ بن ابی رفاعہ، اسود بن عبدالاسد، حاجب بن السائب، وغیرہ وغیرہ۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابوجہل کے ساتھ اس کے اپنے خاندان کے لوگوں کی بڑی تعداد ۱۷، ۱۸ بھی کام آئی۔ جنگ بدر کے بعد فتح مکہ سے پہلے تک جو غزوات وسرایا ہوئے ان میں بھی کفار ومشرکین عرب کے علاوہ قریش مکہ کے اعدا ومخالفین برابر مارے جاتے رہے۔ مآخذ میں ان کی تعداد او رناموں کی صراحت موجود ہے۔

۴۔ مولانا شبلیؒ نے صلح حدیبیہ کے مصالح کے تحت مشہور عام حقیقت کا اعادہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالد (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اس زمانے کی یادگار ہے (دیکھئے، سیرۃ النبی: ج۱ ص ۴۲۷، ۴۲۸) جناب عباس بن عبدالمطلب کا اسلام اور قبل فتح ہجرت (ابن ہشام: ج۴ ص۴۲) داخل اسلام ہونے والوں میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی پیچھے نہ رہیں، مثلاً مشہور مخالف اسلام اور دشمن خدا اور رسول اور رئیس مکہ عقبہ بن ابی معیط کی صاحب زادی ام کلثوم نے مسلمان ہوکر ہجرت مدینہ بھی کی۔

۵۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی میں ایک جگہ صلح حدیبیہ ۶ھ کے مصالح کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانے کی یادگار ہے (ج۱ ص ۴۲۷، ۴۲۸) اور دوسری جگہ واقعاتِ متفرقہ ۶ھ کا عنوان قائم کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، دونوں حضرات کے خدمت نبوی میں حاضر ہر کر قبول اسلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے لکھا ہے (ج۱ ص۴۴۰) لیکن ان اکابرین قریش حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے قبول اسلام کی تفصیلی روداد اور روح پرور ایمان افروز حکایت بہ شمول فرمان نبوی، مولانا کاندھلوی نے اپنی کتاب سیرت مصطفی ﷺ میں البدایہ والنہایہ اور خصائص کبریٰ للسیوطی کے حوالے سے بیان کی ہے، ملاحظہ ہو: ج۲ ص ۴۳۵ تا ۴۴۰۔ ان حضرات صحابہ کا بیان نہ صرف یہ کہ قلبِ ماہیت کے مسلسل عمل کو ظاہر کرتا ہے بل کہ ثابت کرتا ہے کہ کفر وشرک اور عداوت و مخالفت کی سیاہیاں کتنی تیز رفتاری سے نور اسلام کے اجالوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ نیز یہ پتہ چلتا ہے کہ عداوت و مخالفت قریش کا دائرہ روز بہ روز سمٹتا جارہا تھا (یہ صحیح معنوں میں ان الحسنات یذھبن السیئات کا منظر تھا)۔

۶۔ قریشی کیمپ سے خیمۂ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پہلے پہل آنے والوں میں ابوسفیان بن حرب، بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام قابل ذکر ہیں۔ جو افواج اسلام کے پڑاؤ مرالظہر ان کی طرف اتفاقاً آ نکلے تھے اور اس تجسس حال کے لئے آئے تھے کہ پہاڑوں پر دور دور تک جلنے والی آگ کی روشنیاں آخر کس کی آمد کا پتہ دے رہی ہیں۔ اسی اثنا میں ان کی مڈبھیڑ لشکرِ اسلام کے نگہ داروں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی جو جان پہچان کے بعد انہیں خدمت نبوی ﷺ میں لے گئے۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا تو بلا توقف اسلام قبول کر کے مکہ واپس ہوگئے (واقدی: ج۲ ص۲۵۱) البتہ ابوسفیان نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ تکلف برتا تو ہدایت کی گئی کہ عباس اپنے پاس

رکھ کر صبح پھر حاضر کریں، چناں چہ صبح ابوسفیان بھی بہ ادنیٰ تامل اسلام لے آئے، پھر حضرت عباس کی فرمائش پر ابو سفیان کی ذاتی تسکین اور مزید عزت افزائی کے لئے اس کا گھر دار الامان قرار دے دیا گیا۔(ابن ہشام: ج۴ ص۴۶) نے آں حضور ﷺ سے ابوسفیان کا مکالمہ نقل کیا ہے،ابوسفیان کا اسلام اس وقت بہت معنی رکھتا تھا،قریش کے بچے کھچے اعداو مخالفین میں ابوسفیان کی نمایاں ترین حیثیت حاصل تھی، وہ ابوجہل کے بعد اس کی جانشینی کا حق مسلسل ادا کر رہا تھا اور خلاف اسلام سرگرمیوں کو منظم کرنے میں پیش پیش تھا،اس کی قیادت وسیادت اہل مکہ کے ہاں مسلم تھی۔

۷۔حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) اور بدیل بن ورقا قبول اسلام کے بعد مکے پہنچ کر اہل مکہ کو آمد رسول سے مطلع کر چکے تھے۔مزید برآں جب ابوسفیان نے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد مکے پہنچ کر بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ ''محمد ﷺ لشکر کے ساتھ آ رہے ہیں، میری رائے میں کسی کو یہ طاقت نہیں کہ ان سے مقابلہ کر سکے اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔البتہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے یا جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے یا جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے''۔ یہ الفاظ مولانا کاندھلوی کے ہیں۔دیکھئے: ج۳،ص۱۳۱۔اصل روایت اور ابوسفیان کا اپنی بیوی ہندی سے مکالمے کے لئے ملاحظہ ہو۔واقدی: ج۲ص۲۵۷۔

۸۔قبول اسلام کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عباس کو ہدایت فرمادی تھی کہ ذرا ایک نظر میں لشکر اسلام کی شوکت عظمت کا نظارہ کرادو۔لشکر اسلام کے ایک ایک دستے کی نقل وحرکت کو ابوسفیان آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھتا رہا اور بولا کہ عباس تمہارے بھتیجے کی بادشاہ تو بہت بڑھ گئی ہے۔عباس نے کہا ابوسفیان یہ بادشاہت نہیں نبوت ہے(**واللہ یا ابا الفضل لقد اصبح ملک ابن اخیک الغداۃ عظیماً، قال: قلت یا ابا سفیان انها النبوۃ قال فنعم اذن**۔ابن ہشام: ج۴ص۴۷)

۹۔ایضاً: ص۴۹، ۵۰

۱۰۔شبلی۔سیرۃ النبی: ج۱ص۴۷۷۔اس موقع پر اس پوری آیت پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ میں ہے، صحیح بخاری فتح مکہ میں الفاظ آئے ہیں، **جاء الحق و زهق الباطل و ما یبدی الباطل و ما یعید**

۱۱۔ایضاً: بہ حوالہ صحیح بخاری، فتح مکہ

۱۲۔ایضاً۔بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے کعبے کے اندر تکبیریں کہیں، لیکن نماز ادا نہیں کی۔(ایضاً: ص۴۷۷، ۴۷۸)

۱۳۔ایضاً: ص۴۷۸۔خطبۂ فتح مکہ مع ترجمہ گزشتہ باب میں نقل کیا جا چکا ہے۔

۱۴۔ایضاً: ص۴۸۰(اس کے یہ الفاظ ''اور خوف انگیز لہجے میں'' کا استعمال، ناقابل فہم معلوم ہوتا ہے)

۱۵۔ابن ہشام: ج۴ص۵۵

۱۶۔ایضاً: خطبۂ مبارکہ کا یہ حصہ بلاذری نے بہ تغیر الفاظ زیادہ جامع مؤثر اور مکمل نقل کیا ہے: **لما کان یوم فتح مکة قال النبی ﷺ لقریش: ما تظنون قالوا: نظن خیراً و نقول خیراً اخ کریم و ابن اخ کریم و قد**

قدرت قال فانی اقول کما قال اخی یوسف علیہ السلام لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین (یوسف،۹۲)'' دیکھئے: البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، ۲۷۹ھ۔ فتوح البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء: ص۳۲۔ جب کہ واقدی نے ان الفاظ کو ابتدائے خطبہ کا حصہ بنایا ہے: ج۲،ص۲۶۶

۱۷۔ مولانا شبلی رحمہ اللہ نے مؤرخین کے تتبع میں صحیح لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ مقام صفا میں ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے جو لوگ اسلام قبول کرنے آئے تھے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا پھر پانی کے ایک لبریز پیالے میں آں حضرت ﷺ دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد عورتیں اسی پیالے میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا''۔ سیرۃ النبی: ج۱ص۴۸۱۔ عورتوں سے بیعت کی دوسری صورت یہ تھی کہ کپڑے کا ایک کونا آپ ﷺ کے دست مبارک میں ہوتا اور دوسرے کونا عورت کے ہاتھ سے مس ہوتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انی لا اصافح النساء (میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا) دیکھئے: واقدی: ج۲،ص۲۷۶۔ اُس دن اسلام لانے والی عورتوں میں قابل ذکر ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان، ام حکیم بنت الحارث زوجہ عکرمہ، البغوم بنت المعذل زوجہ صفوان بن امیہ، فاطمۃ بنت الولید بن المغیرہ، ہند بنت منبہ بن الحجاج والدہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ ہیں (ایضاً)۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو طبری: ج۲ص۳۳۷،۳۳۸

۱۸۔ اس وقت کے حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اسلام کو فوراً قبول کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں کسی قسم کا جبر، ظلم و زیادتی کا کوئی واقعہ منقول نہیں۔ قبول اسلام ہر سطح پر بہ رضا و رغبت، دلی تأثر کے ساتھ ہوا۔ ہاں حقیقت اور اصل صورت حال سے مطلع کرنے کے لئے، ان تینوں اشراف قریش (یعنی حکیم بن حزام، بدیل بن ورقا اور ابوسفیان بن حرب) نے (مرالظہر ان میں آں حضور ﷺ سے ملاقات، قبول اسلام اور مشاہدۂ افواج اسلامی کے بعد) تیزی سے مکے واپس آکر حرم کعبہ میں اہل مکہ کے سامنے بہ آواز بلند یہ اعلان کر دیا تھا: یا معشر قریش! ھذا محمد قد جاء کم بما لا قبل لکم بہ اور یہ بھی کہا یا معشر قریش اسلموا تسلموا (ابن اثیر: ج۲ص۱۲۲) جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اے اہل قریش یہ جان لو کہ (پیغمبر اسلام حضرت) محمد (ﷺ) تمہارے سروں پہ آپہنچے ہیں اور ایسی تیاریوں (کثرت افواج) کے ساتھ ہیں کہ پہلے کبھی تمہارے مقابل اس طرح نہ آئے تھے اس لئے قریشیو! تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ سر تسلیم خم کر دو (کہ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے) جب کہ ادھر ابوسفیان اپنی بیوی ہند بنت عتبہ کی بدتمیزی اور کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کرنے کے بعد اسے بھی خبردار کر چکا تھا لئن لم تسلمی انت لتضربن عنقک ادخلی بیتک (کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، تو نے بھی اگر بات نہ مانی اور اکڑ دکھائی تو تیری بھی گردن ماردی جائے گی اس لئے سیدھی طرح گھر کے اندر چل کر بیٹھ)۔ اس لئے عقل مندی کا تقاضا، وقت و حالات کے مطابق صحیح فیصلہ، اور بہتر انجام اسی میں تھا کہ کفر و شرک ترک کر کے اسلام قبول کر لیا جائے۔

۱۹۔ ان کے ناموں کی تفصیل اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ان کی حرکات و سکنات اور سرگرمیوں کا تذکرہ، ان کو قتل کئے جانے، سزا یا امان عطا ہونے اور جرائم وغیرہ کا بیان مآخذ میں موجود ہے۔ مثلاً ابن ہشام: ج۴ص۶۰ و مابعد۔

واقدی: ج ۲ ص ۲۷۴ و مابعد: ابن سعد: ج ۲ ص ۱۳۶ و مابعد وغیرہ۔ مولانا کاندھلوی نے مجموعی جائزے پر مشتمل ایک فہرست مرتب کردی ہے۔ دیکھئے: ج ۳، ص ۴۸ تا ۵۹۔ لیکن ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ قتل ہونے والوں میں صرف عبداللہ بن خطل، اور اس کی ایک لونڈی، حویرث بن نقیہ، مقیس بن صبابہ، حارث بن طلاطل، اور ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی کا شمار ہے، جب کہ ان میں ایمان لے آنے والے اور یا جنھیں امان دے دی گئی ان کی تعداد ۸ ہے۔ یعنی ایک ابن خطل کی لونڈی، عبداللہ بن ابی سرح (فاتح افریقہ)، عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن الاسود، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، عبداللہ بن زبعری، ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان۔ سیرۃ النبی میں مولانا سلیمان ندوی نے اشتہاران قتل کے عنوان سے مفصل بحث کی ہے۔ دیکھئے: ج ۱، ص ۴۸۲ تا ۴۸۶

۲۰۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب، بدیل بن ورقا، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو، عتبہ اور معتب پسران ابو لہب، اور معاویہ وغیرہ۔

۲۱۔ خانۂ کعبہ کی حرمت کے لئے حضور ﷺ کا خطبہ اور دیگر تفصیل وشرائط کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ج ۴ ص ۵۸

۲۲۔ واقدی: ج ۲ ص ۲۷۰

۲۳۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام: ج ۴ ص ۵۶۔ نیز دیکھئے واقدی: ج ۲ ص ۲۷۳۔ ابن ہشام کے مطابق صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے ان مشاہیر میں ابوسفیان بن حرب، عتاب بن اسید، حارث بن ہشام وغیرہ شامل تھے، جب کہ واقدی کے مطابق تاثرات بیان کرنے والوں میں جویریہ بنت ابوجہل، خالد بن اسید، حکم بن ابی العاص، اور سہیل بن عمرو بھی شریک تھے۔

۲۴۔ واقدی نے دو جملوں میں منظر کشی کردی ہے: **و جآء ت الظهر فامر رسول الله ﷺ بلالاً ان یوذن بالظهر فوق ظهر الکعبة یؤمئذٍ و قریش فوق رؤس الجبال، و قد فرّ وجوههم و تغیروا خوفاً ان یقتلوا، منهم من یطلب الامان و منهم قد اومن**۔ واقدی: ج ۲ ص ۲۷۳

۲۵۔ مولانا شبلی فتح مکہ اور بت شکنی کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا، کعبے میں سیکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور یاقوت احمر سے بنا تھا۔ سیرۃ النبی: ج ۱ ص ۴۸۷۔ وہ مزید لکھتے ہیں ''جنگ اُحد میں ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی وہ عین کعبے کے اندر تھا، چناں چہ جب آں حضرت ﷺ کعبے میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کردیا گیا''۔ (ایضاً)

۲۶۔ ملاحظہ ہو: واقدی: ج ۲ ص ۲۹۰، ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان نے اپنے گھر کے ایک ایک بت کو یہ کہتے ہوئے ریزہ ریزہ کر ڈالا کہ تم نے مجھے بہت دھوکے میں رکھا (**کنا منك فی غرور**) ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ شبلی۔ سیرۃ النبی: ج ۱ ص ۴۸۷، ۴۸۸

۲۹۔ ایضاً: ص ۴۸۸

۳۰۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۹۷۔ حضرت خالد کے ساتھ ۳۰ سواروں کا دستہ بھی بھیجا گیا۔ ابن سعد: ج ۲ ص ۱۴۶

۳۱۔ابن سعد: ج ۲ص ۱۴۶

۳۲۔ایضاً: ص ۱۴۷

۳۳۔عُزّٰی، سواع، منات اور سواع کے معبدوں کی تباہی فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی، پھر جیسے جیسے آں حضور ﷺ کا اختیار واقتدار وسیع اور سیاسی و اجتماعی قوت مستحکم ہوتی چلی گئی تو انہدام صنم خانہ میں دیر نہیں لگائی گئی، چناں چہ مثلاً غزوۂ حنین اور محاصرہ ثقیف وطائف کے دوران شوال ۸ھ میں حضرت طفیل بن عمرو الدوسی کو عمرو بن حممۃ کے بت خانہ ڈھانے کے لئے ذی الکفین بھیجا گیا (ابن سعد: ج ۲ص ۱۵۷) پھر یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہا، یہاں تک کہ مثلاً ربیع الثانی ۹ھ میں حضرت علی کی سربراہی میں ایک فوجی دستے کو بنو طے کے صنم خانہ منہدم کرنے کے لئے روانہ کیا گیا اور جو وہاں سے کامیاب لوٹا (ایضاً: ص ۱۶۴) اسی طرح طائف سے وفد ثقیف کی آمد رمضان ۹ھ کے فوراً بعد آں حضرت نے ان کی یہ درخواست نامنظور کرتے ہوئے کہ ان کے صنم لات کے معبد کے انہدام کو تین سال منہدم نہ کیا جائے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان بن حرب کو روانہ فرمایا، جنہوں نے انہدام لات کی کارروائی مکمل فرمادی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، ابن ہشام: ج ۴ص ۱۸۴، ۱۸۵

۳۴۔ملاحظہ ہو: منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان۔ رحمۃ للعالمین۔ الفیصل، لاہور ۱۹۹۱ء: ج ۱ص ۱۱۹ تا ۱۲۱

۳۵۔صحیح بخاری عن عمرو بن سلمہ، پ ۱۷

۳۶۔ایضاً: ص ۱۱۹، ۱۲۰

۳۷۔ایضاً: ص ۱۲۱

۳۸۔مثلاً دیکھئے، ابن ہشام: ج ۴ص ۴۹

۳۹۔قال: بل تسیر اربعۃ اشہر۔ الواقدی: ج ۲ص ۲۷۹

۴۰۔ایضاً۔ صفوان کے داخل اسلام ہونے سے پہلے اس کی بیوی بھی مسلمان ہوگئی تھی، اسی طرح عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی خود عکرمہ سے پہلے داخل اسلام ہو چکی تھی۔ اسی لئے جب ان کے شوہروں نے (بعد میں) اسلام قبول کیا تو آں حضرت ﷺ نے پہلے ہی نکاح پر دونوں کو قائم رکھا۔ (ایضاً)

۴۱۔واقدی: ج ۲ص ۲۷۴۔ مولانا کاندھلوی نے ابوداؤد ونسائی کے حوالے سے عکرمہ کے دل کی بات اور عزم ایمان نقل کیا ہے۔ دیکھئے: ج ۳ص ۵۱

۴۲۔ایضاً: ص ۲۷۴، ۲۷۵

۴۳۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: واقدی، ج ۲ص ۲۷۶، ۲۷۷

۴۴۔ایضاً: ص ۲۷۷

۴۵۔ایضاً: ص ۲۷۳، ۲۷۴

۴۶۔: ایضاً: ۲۷۴

۴۷۔ایضاً

۴۸۔ایضاً

۴۹۔ایضاً
۵۰۔تفصیل کے لئے دیکھئے، واقدی: ج ۲ص ۲۸۱
۵۱۔ایضاً
۵۲۔تفصیلات کے لئے ایضاً: ص ۲۸۵
۵۳۔ابن ہشام نے امر کعب بن زهیر بعد الانصراف عن الطائف کے تحت کعب بن زہیر کے اذکار و احوال میں بہت تفصیل سے کام لیا ہے، بل کہ پورا قصیدہ بانت سعاد بھی نقل کر دیا ہے۔
۵۴۔ایضاً: ج ۴ص ۱۴۶
۵۵۔سیرۃ النبی: ج ۱ص ۲۸۹، ۲۹۰
۵۶۔ابن ہشام: ج ۴، ص ۸۲، ۸۳۔ الواقدی نے قرضہ جات کی تفصیل دی ہے کہ آپ ﷺ نے کس سے کیا قرض لیا (ج ۲، ص ۲۸۵)
۵۷۔۲۰ رمضان ۸ھ کو فتح مکہ کے بعد آں حضور ﷺ نے ۱۵ دن قیام فرمایا، اور پھر بہ روز ہفتہ ۶ شوال ۸ھ کو غزوۂ حنین دھوازن کے لئے تشریف لے گئے۔ مکے پر عتاب بن اسید کو والی مقرر کیا اور حضرت معاذ بن جبل کو تعلیم دین، فقہ و سنن کے لئے چھوڑا۔ لشکر اسلامی میں ۱۰ ہزار مجاہد ین صحابہ کے علاوہ ۲ ہزار اہل مکہ تھے اور ان میں مشرکوں کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، الواقدی: ج ۲ص ۲۰۵، ۲۰۶۔ غزوۂ حنین میں شریک اہل مکہ کے مختلف طبقات (طلقا، ضعفا، مؤلفۃ القلوب وغیرہ) اور ان کی وجہ سے وقتی شکست و پس پائی کے اسباب و احوال کا تفصیلی جائزہ اور مختلف روایات کی تنقیح سیرۃ النبی میں بہت خوب موجود ہے۔ ملاحظہ ہو: ج ۱ص ۴۹۲ تا ۴۹۸
۵۸۔ابن ہشام: ج ۴ص ۵۱
۵۹۔الواقدی: ج ۲ص ۲۵۶
۶۰۔ایضاً
۶۱۔ابن ہشام: ج ۴، ص ۸۳۔ ابن سعد کے مطابق آں حضور ﷺ نے فتح کے بعد جناب سعید بن سعید بن العاص کو سوقِ مکہ کا نگران مقرر فرمایا، جب کہ غزوۂ طائف کی روانگی کے وقت مکہ پر ہبیرہ بن شبل ثقفی کو والی بنایا، اور پھر طائف سے واپس آکر جب مدینے کا قصد فرمایا تو عتاب بن اسید کو مکہ کا والی اور ۸ھ کا امیر حج مقرر فرمایا۔ ج ۲، ص ۱۴۵۔
۶۲۔ذاتِ انواط کفار قریش اور دیگر کے نزدیک کعبۃ اللہ کی طرح مقدس و متبرک سمجھا جاتا اور وہ ہر سال وہاں آکر حاضری دیتے، اعتکاف کرتے، قربانیاں پیش کرتے تھے۔ الواقدی: ج ۲ص ۳۰۶
۶۳۔ایضاً: بہ حوالہ مسند احمد، مصنف عبدالرزاق، ترمذی وغیرہ
۶۴۔ایضاً: ص ۳۰۷
۶۵۔التوبہ: ۲۵، ۲۶
۶۶۔سیرۃ النبی: ج ۱ص ۴۹۴

۶۷۔مولانا سید سلیمان ندوی نے حاشیے میں صحابہ کے ثبات و پس پائی کے سلسلے میں کافی تفصیل سے لکھا ہے۔جس کا موقع نہیں، تاہم چند ضروری باتوں کا خلاصہ قابل ذکر ہے۔الف: صحیح حدیث کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی حاصل ہوئی، لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی، جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی۔ب: شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک یہ تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں، چناں چہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیم جو اس جنگ میں شریک تھیں حضور انور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ان طلقا کو قتل کر دیجئے، ان ہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں ''سب لوگ بھی بھاگے تھے بل کہ مکے کے مؤلفۃ القلوب میں جو منافق تھے اور مکے کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے) اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے بھاگنا شروع کیا تھا۔آگے لکھتے ہیں فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے......مؤرخ طبری نے اسی موقع پر مکے کے ان طلقا کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہیں وہ بھی اس راز کی پردہ کشائی کرتے ہیں کہ اہل مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ دل سے نہ تھے (ج ا، ص۴۹۲ تا ۴۹۶) مولانا شبلی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید اسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر ہی نہیں آئے تھے۔(ایضاً: ص۴۹۷)

۶۸۔تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ابن سعد،: ج ۲ص ۱۵۱،۱۵۲

۶۹۔مال غنیمت میں جو مال و دولت، مویشی، اسیران جنگ ہاتھ آئے ان کی تفصیل تمام مآخذ میں دی گئی ہے۔مولانا شبلی نے بھی یہ تفصیل ذکر کی ہے اور تقسیم غنائم مع انعامات و دیگر واقعات تحریر کئے ہیں، دیکھئے۔ج ا،ص۴۹۹ تا ۵۰۴

۷۰۔ابن سعد: ج ۲ص ۱۵۵

۷۱۔غزوۂ حنین و اوطاس کی معرکہ آرائی کے مختلف اوقات و مراحل میں لشکر اسلامی میں شامل کئی نومسلموں کی جانب سے تنقید، تبصرہ، تمناؤں، آرزؤں کا جو اظہار ہوتا رہا مصادر سیر و تاریخ میں انہیں نقل کیا گیا ہے۔بادی النظر میں وہ چہ میگوئیاں قابل اعتراض کہی جا سکتی ہیں، مثلاً بنو ہوازن کے تیراندازوں کے کھیت گاہوں سے نکل کر اچانک حملے پر، لشکر اسلامی کی وقتی پسپائی پر ان کی خوشی دیدنی تھی، ابوسفیان بن حرب نے کہا: اب ہزیمت رو کے نہیں رک سکتی، کلدہ بن حنبل نے خوشی میں چلا کر کہا آج سحر کا خاتمہ ہوگیا۔جب کہ مشرک ہوتے ہوئے صفوان بن امیہ نے ٹوکا ''خاموش اللہ تیرا منہ بند کرے'' شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا: آج میں محمد (ﷺ) سے اپنے باپ کا بدلہ لوں گا (اس کا باپ جنگ احد میں مارا گیا تھا) جب آپ ﷺ کی طرف بڑھا تو فوراً غشی طاری ہوگئی اور آپ ﷺ تک نہ پہنچ سکا۔سمجھ گیا کہ مجھ کو من جانب اللہ روکا گیا ہے، بعد میں خود ایمان لے آیا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الواقدی، ج ۲ص ۳۲۰، ۳۲۱ وغیرہ۔مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن الاثیر: ج ۲ص ۱۳۷

۷۲۔مؤرخین و اصحاب السیر کے بیان کے مطابق آں حضور ﷺ کی مدینہ طیبہ سے فتح مکہ کے لئے روانگی ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ بعد عصر ہوئی۔(ابن سعد: ج ۲ص ۱۳۵)، جمعہ ۲۰ رمضان المبارک کو مکہ فتح ہوا، ۱۵/۱۷ روزہ اقامت

کے بعد غزوۂ حنین کے لئے روانگی ۶ شوال ۸ھ کو ہوئی (ص ۱۳۷ تا ۱۴۹) معرکۂ کارزار کے بعد فتح حاصل ہوئی (ص ۱۵۱) غزوۂ طائف شوال ۸ھ (بعد ازاں محاصرۂ طائف ۱۸ روزہ کے بعد) (ص ۱۵۸) ثقیف کے لئے ہدایت کی دعا (ص ۱۵۹) فرماتے ہوئے ۵ ذی قعدہ ۸ھ کو جعرانہ تشریف لائے۔ جہاں ۱۳ روزہ اقامت اور تقسیم اموال و غنائم عطایا کے بعد بدھ ۱۸ ذی الحجہ ۸ھ کو بہ غرض عمرہ مکہ مکرمہ تشریف لئے گئے، اور پھر وہاں سے بعد عمرہ جمعرات ۱۹ ذی قعدہ ۸ھ کو روانگی اختیار فرمائی، تا آں کہ دوبارہ جعرانہ وہاں سے سرف مرالظہران ہوتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، (ص ۱۵۴)، گویا ۱۰ رمضان ۸ھ تا ۲۷ ذی قعدہ ۸ھ کل مدت ۲ ماہ ۱۶، ۷۰ دن ہوتی ہے۔

۷۳۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے: وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آیت ۱۲۳) اور سورۂ توبہ میں فرمایا گیا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ (توبہ: ۲۵) مسلمانوں کی اپنی روایت کے مطابق افواج اسلامی کی تعداد اگر چہ بہ کثرت تھی، لیکن اعداو کفار کے مطابق محض قلت تھی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کی اپنی لغزش نے ثابت کر دیا کہ بادی النظر میں کثرت بھی اصلاً قلت ہی ثابت ہوئی۔

۷۴۔ سورۂ انفال میں جنگ بدر کے موقع پر آسمان بارش، اور شہود ملائکہ دونوں کا ذکر و ثبوت ہے (الانفال: ۱۲) ابن ہشام نے درست طور پر لکھا ہے کہ یوم بدر میں ملائکہ اپنے سفید عماموں کے ساتھ شریک جنگ تھے، جب کہ حنین کے موقع پر ملائکہ کے عمامے سرخ رنگ کے تھے جو دونوں کندھوں کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، البتہ حضرت جبریل کا عمامہ پیلے رنگ کا (عمامۃ صفرا) تھا۔ (ابن ہشام: ج ۴، ص ۲۸۵، ۲۸۶) یوم حنین کان یوم مطراً (ابن سعد: ج ۲ ص ۱۵۶)، حنین میں نصرت ملائکہ کا مشاہدہ صحابہ نے بھی کیا (ابن ہشام: ج ۴ ص ۹۱) اور ہوازن کے جاسوسوں نے بھی (ایضاً ۸۲)

۷۵۔ آں حضور ﷺ نے مٹھی بھر جو ریت لشکر کفار کی طرف پھینکی تھی، اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: ۱۷)

۷۶۔ ابن سعد: ج ۲ ص ۱۵۱

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ ابن الاثیر کے مطابق ہوازن میں صرف ثقیف و بنی مالک کے ۷۰ آدمی مارے گئے، احلاف کا شمار الگ ہے۔ (ج ۲، ص ۱۳۷)

۷۹۔ اسیران جنگ میں آں حضور ﷺ کی رضاعی بہن حضرت شیماء بنت الحارث بن عبد العزیٰ بھی تھیں، جنہوں نے اپنا تعارف خود کرایا اور حضور ﷺ نے ان کی فرمودہ علامت کی تصدیق کرتے ہوئے اعزاز و اکرام فرمایا اور پیش کش بھی کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے پاس اقامت اختیار کر سکتی ہیں، مگر انہوں نے اپنے اقربا میں ہی جانا پسند کیا۔ تفصیل دیکھئے: ایضاً، ص ۱۳۸، ۱۳۹

۸۰۔ ڈوگر، محمد رفیق۔ الامین۔ لاہور ۲۰۰۶ء: ج ۴ ص ۳۳۳

۸۱۔ ایضاً: ص ۳۳۵

۸۲۔ سر ولیم میور۔ حیات محمد ﷺ، ایڈیشن ۱۸۹۴ء: ص ۴۱۷

۸۳۔ الواقدی: ج ۲ص ۲۸۹، ۲۹۰

۸۴۔ ابن سعد: ج ۲ص ۱۶۴

۸۵۔ ایضاً: ص ۱۴۷

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ ایضاً

۸۸۔ ایضاً: ص ۱۶۲

۸۹۔ تاریخ سیرت میں آمد وفود ایک مستقل عنوان ہے، جس کے متعدد پہلو قابل ذکر ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، خدمت نبوی ﷺ میں مختلف النوع وفود اگر چہ مختلف سالوں میں حاضر ہوئے، تاہم ۹ھ میں پورے سال وفود بڑی تعداد میں مدینہ منورہ آئے اور اس لئے اسے عام الوفود سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابن سعد نے الطبقات میں ذکر وفادات العرب علی رسول اللہ ﷺ کے تحت کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ (دیکھئے الطبقات الکبری: ج ۱ص ۲۹۱، ۳۵۹) ابن سعد کے مطابق آپ ﷺ کے پاس آنے والا پہلا وفد مزینہ کا تھا، جو رجب ۵ھ میں آیا تھا (ایضاً، ص ۲۹۱) ابن سعد نے کل ۷۱ وفود کو شمار کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین و طائف وغیرہ کے بعد جب آں حضور جعرانہ میں تشریف فرما تھے تو پہلا وفد ہوازن آیا تھا جس میں نبی ﷺ کے رضاعی چچا بھی تھے، جب کہ رئیس وفد زہیر بن صرد تھے۔ وفد ۱۴ آدمیوں پر مشتمل تھا اور اپنے خاندان کے مال اموال، قیدیوں کی رہائی اور واپسی کی درخواست لے کر آیا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الواقدی: ج ۲ص ۳۴۸ تا ۳۵۰۔ عام الوفود یعنی ۹ھ میں اگر چہ وفود کا تانتا بندھا رہا، لیکن اس سال سب سے پہلے حاضری کا شرف نجران کے وفد کو حاصل ہوا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، ابن سعد: ج ۱ص ۳۵۷، ۳۵۸۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو مترجم اردو: ج ۳، ص ۱۲۰ تا ۱۲۸۔ ابن قیم کے مطابق وفد نخع آخری وفد تھا، جو ۱۱ھ میں نصف محرم کے قریب آستانۂ نبوی پر حاضر ہوا، اس میں ۲۰۰ آدمی تھے اور حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر چکے تھے۔ ایضاً: ج ۳ص ۱۷۶۔ رفیق ڈوگر نے وفود کی آمد، مقاصد اور اثرات کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ دیکھئے، الامین: ج ۴ص ۳۳۹، ۳۵۱

۹۰۔ نقش سیرت: ص ۵۳۴

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ شبلی: ج ۱ص ۵۲۲، ۵۲۳

۹۳۔ ایضاً: ص ۵۲۳

۹۴۔ ایضاً

۹۵۔ ایضاً: ص ۵۲۵

۹۶۔ ابن سعد: ج ۱ص ۱۴۵

۹۷۔ مولانا کاندھلوی نے اپنی کتاب میں بھی تقرر عمال و عاملین وغیرہ کی ایک فہرست نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ج ۳ ص ۷۸، ۷۹